جون ۱۹۹۵ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ سانحۂ چرار شریف اور حادثۂ عمران خان

☆ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا تجزیہ

☆ تنظیم اسلامی کی دعوت (۲)

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

سانحۂ کربلا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی
عزیمت و عظمت کی صحیح تصویر

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
مناقب اور آپ کی مظلومانہ شہادت
کے بیان پر جامع تالیف

- یہود نے عہدِ صدیقی رضؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا، آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا۔
- وہ آج بھی قاتلِ خلیفۂ ثانی ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں
- علی مرتضیٰ رضؓ کی طرح حضرت حسین رضؓ بھی قاتلینِ عثمان رضؓ کی سازش کا شکار ہوئے
- سید الشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون ہے؟ تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لیے

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں
کا مطالعہ کیجئے

قریبی بک سٹال
سے طلب کیجئے یا ہم سے
منگوائیے

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت
صرف -/۱۸ روپے (سستا ایڈیشن -/۹ روپے)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: ۵۸۶۹۵۰۱

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۴
شمارہ: ۶
محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
جون ۱۹۹۵ء
فی شمارہ ۷/-
سالانہ زرتعاون ۷۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر۔	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارہ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰- فون: ۵۸۶۹۵۰۲-۵۸۶۹۵۰۱

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی- فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

☆ عرض احوال ۔۔۔۔۔۔ ۳
حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ۔۔۔۔۔۔ ۷
سانحہ چرار شریف اور حادثہ عمران خان
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ الھدٰی (قسط : ۶۱) ۔۔۔۔۔۔ ۱۷
فتح مکہ ۔۔۔ جاء الحق وزھق الباطل
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ تنظیم اسلامی کی دعوت ۔۔۔۔۔۔ ۲۷
تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے دعوتی اجتماع سے امیر تنظیم کا خطاب (۲)

☆ علامہ اقبال اور پردۂ نسواں ۔۔۔۔۔۔ ۴۰
سید عبد العزیز بخاری

☆ حسن انتخاب ۔۔۔۔۔۔ ۴۹
کیا جہیز دینا سنت ہے؟
سید جعفر شاہ پھلواروی

☆ مَا سَلَکَکُمْ فِی سَقَرَ؟ ۔۔۔۔۔۔ ۵۷
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

☆ رفتار کار ۔۔۔۔۔۔ ۶۸
تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کا چوتھا سالانہ اجتماع ۔۔ ایک اجمالی رپورٹ

☆ مشاہدات و تأثرات ۔۔۔۔۔۔ ۷۱
تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست
بیگم ثریا عبد الوحید

☆ رفتار کار ۔۔۔۔۔۔ ۷۴
رفقاء تنظیم اسلامی حلقہ غربی پنجاب کا چار روزہ دعوتی سفر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

ایودھیا کی مسجد کی شہادت کے بعد چرار شریف اور اس سے ملحق مساجد کا منہدم کیا جانا بلاشبہ ملت اسلامیہ اور بالخصوص دردمند مسلمانان پاکستان کے لئے ایک بڑے صدمے اور سانحے سے کم نہیں! کشمیر میں مجاہدین کا مسلسل رستا ہوا خون ہی ہمارے لئے کچھ کم اذیت بخش نہیں تھا کہ اب اس سانحہ خونچکاں نے مسلمانوں کے جسد ملی کو تڑپا کے رکھ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ "اے باد صبا' ایں ہمہ آوردۂ تست" کے مصداق یہ ہمارا اپنا کیا دھرا ہے' ہمارے قومی و ملی جرائم ہی کا یہ نتیجہ ہے جو عذاب کی صورت میں آج ہمارے سامنے ہے ..... گو اس سانحے پر احتجاجی آواز قریباً ہر حلقے کی جانب سے بلند ہوئی ہے اور اس پر اظہار غم کرنے والوں کی بھی بظاہر کوئی کمی نہیں' بلکہ ہمارے اخبارات کے صفحات ایسے بیانات سے بھرے ہوتے ہیں' اور اگرچہ اس سانحے کے رد عمل کے طور پر احتجاجی ریلیاں بھی نکالی جا رہی ہیں اور یوم احتجاج بھی منانے کا اعلان ہو گیا ہے' لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانان پاکستان کی اکثریت کو ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ صورت حال کہ۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اب عنقا ہے۔ ہمارے طبقہ امراء کی عظیم اکثریت "مال مست" ہے' انہیں دولت کو جائز و ناجائز ہر ذریعے سے سمیٹنے اور اپنے عیش و آرام سے فرصت نہیں' اور نچلے طبقات اکثر و بیشتر اپنے حال میں مگن اور غربت و افلاس اور مہنگائی کے ہاتھوں پریشان' گویا "حال مست" ہیں۔ پوری قوم پر ایک عمومی بے حسی طاری ہے' کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا! لے دے کے ایک مڈل کلاس ایسی ہے کہ جس کے ایک قابل ذکر حصے میں ملی و قومی شعور اور دین و مذہب کے ساتھ وابستگی کی کسی قدر جھلک نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ تمام ہنگامہ اور ساری ہاؤ ہو جو اخبارات کے صفحات میں بیانات کی صورت میں اور سڑکوں کے اوپر احتجاجی مظاہروں کی شکل میں نظر آتی ہے' بالعموم انہی کے دم سے ہے۔ لیکن ستم یہ ہے کہ اس میں بھی حقیقت کا عنصر کم اور رنگ آمیزی زیادہ ہے۔ چنانچہ اس سارے ہنگامے میں حقیقی جذبات کی عکاسی کم ہوتی ہے جبکہ اس کے ذریعے

اپنی سیاست کی دکان کو چمکانا بالعموم زیادہ پیش نظر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ بیان بازی اور چند احتجاجی مظاہروں کے انعقاد کے بعد ہمارے جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں اور "قہرِ درویش بر جانِ درویش" کے مصداق ان احتجاجی مظاہروں میں کچھ توڑ پھوڑ کر کے اور اس طرح اپنا ہی قومی نقصان کر کے ہم اپنا غم غلط کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس صورت حال پر اقبال کا یہ مصرعہ بالکل صادق آتا ہے کہ ع یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری!

قرآن مجید میں بھی قوموں کی ہلاکت کے ضمن میں اللہ کا جو مستقل ضابطہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۶ میں بیان ہوا ہے وہ ہم پر بالکل صادق آتا دکھائی دیتا ہے :

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ○

"اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے طبقہ امراء کو حکم دیتے ہیں (انہیں کھلی چھوٹ دے دیتے ہیں) چنانچہ وہ اس میں فسق و فجور کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ پھر ہمارا ضابطہ ان پر لاگو ہوتا ہے اور ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں"۔

ملک خداداد پاکستان میں فسق و فجور کی بڑھتی ہوئی گرم بازاری پر کون ہے جو شک کر سکے! سیکولرزم کا چڑھتا ہوا سیلاب بڑی تیزی کے ساتھ قومی زندگی کے ہر گوشے کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے! کاش کہ چرار شریف کا سانحہ ہمارے لئے فی الواقع عبرت کا تازیانہ ثابت ہوتا! لیکن یہاں پروا کسے ہے؟ کون ہے جو ان واقعات سے سبق سیکھنے اور ہوش میں آکر اپنے شب و روز کے معمولات میں اصلاح کرنے کے لئے تیار ہو؟ ملک کا ایک قابل ذکر حصہ اگر صدق دل سے اللہ کی جناب میں رجوع کرے اور اپنے سابقہ جرائم کی تلافی کے طور پر اس ملک میں اسلامی انقلاب لانے کے لئے کمربستہ ہو جائے تو شاید اللہ کی رحمت جوش میں آئے اور قوم یونسؑ کی طرح' آیا ہوا عذاب ہم پر سے ٹل جائے۔ ورنہ ہم مستحق عذاب ہونے میں کوئی کسر تو نہیں چھوڑی!!

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے ۱۹ مئی کے خطاب جمعہ میں حسب اعلان' جہاں پاکستانی مسیحیوں کے غور کے لئے کچھ اہم باتیں تفصیل کے ساتھ سامنے رکھیں' وہاں سانحہ چرار شریف کے بارے میں اپنے خیالات و جذبات کا اظہار بھی کیا اور

"حادثہ عمران خان" پر اپنا تجزیہ اور اپنے کچھ تاثرات بھی بیان کئے۔ (خطاب کے اس حصے کو تذکرہ و تبصرہ' کے زیر عنوان اس شمارے میں شامل کیا گیا ہے)۔ دوران خطاب عمران خان کی نومسلم بیوی کا اسلامی نام بھی زیر بحث آیا۔ امیر تنظیم نے انکشاف کیا کہ حائقہ کا مطلب اوپر سے مسلط ہونے والا اور گھیرے میں لے لینے والا عذاب ہے۔ اس پر روزنامہ نوائے وقت کے ایک کالم نگار نے جن کا فکاہی کالم "سرراہے" کے زیر عنوان روزانہ شائع ہوتا ہے' ۲۱ مئی کے کالم میں امیر تنظیم کی اس تحقیق پر شبہ کا اظہار کرتے ہوئے جو شذرہ تحریر کیا ہم اسے یہاں "بلا تبصرہ" درج کر رہے ہیں :

"تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ایک یہودی باپ کی بیٹی نے عمران خان کی شادی اگرچہ فقہی لحاظ سے جائز ہے لیکن یہ شادی سانحہ چرار شریف سے کم نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ حائقہ کے معنی اوپر سے مسلط ہونے والا ایسا عذاب ہے جو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور یہودیوں نے حائقہ کے ذریعے عمران خان کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

ہم عربی لغت میں مہارت کے دعویدار نہیں ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ اوپر سے آنے والی قیامت کو "حاقہ" کہا جاتا ہے اور قرآن میں "الحاقہ" کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے' حائقہ کا نہیں۔ علاوہ ازیں اس عذاب کی مصداق تو عمران خان کی بیوی بنے گی جس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ نام کس کا تجویز کردہ ہے' لیکن عین ممکن ہے کہ جس نے بھی یہ نام تجویز کیا ہو اس کے ذہن میں ڈاکٹر اسرار والا مفہوم ہی ہو۔ عمران خان نے کہا تھا کہ یہ نام "حق" سے مشتق ہے لیکن اس صورت میں یہ نام "حقہ" ہونا چاہئے تھا' خدا جانے حائقہ کیسے ہو گیا۔ ہم عربی لغت کے ماہرین سے گزارش کریں گے کہ وہ حائقہ کا صحیح مفہوم دریافت کر کے ہمارے قارئین کو مطلع کریں"۔

بعد میں جب بعض اہل علم حضرات نے فاضل کالم نگار پر ان کی غلطی واضح تو انہوں نے ۲۳ مئی کے کالم میں یہ تسلیم کیا کہ ڈاکٹر صاحب کی بات درست تھی۔ اس معاملے کی وضاحت انہوں نے ان الفاظ میں کی :

"ہم نے اہل علم سے درخواست کی تھی کہ وہ لفظ "حائقہ" کے بارے میں تحقیق کر

کے ہمارے قارئین کی رہنمائی فرمائیں۔ لاہور سے پاکستان کے مشہور شاعر جناب عبدالعزیز خالد مدیر سرراہے کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ حائقہ کا مادہ ح ی ق ہے اور اس کے معنی ہیں آسمان سے اترنے والا عذاب۔ لہٰذا ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ بات بالکل درست ہے کہ حائقہ "بلائے آسمانی" کو کہا جاتا ہے۔ قرآن میں یہ لفظ متعدد مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر "وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزء ون"۔ یعنی کافروں کو اس عذاب نے آگھیرا جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے....."OO

احباب مطلع رہیں!

آئندہ مبتدی تربیت گاہ

۳۰ جون تا ۶ جولائی ۹۵ء' بمقام مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' لاہور منعقد ہوگی۔ ان شاء اللہ

- ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمّہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- دعوت و تبلیغ اور غلبۂ دین کی جدوجہد اضافی نیکی کے کام ہیں یا بنیادی فرائض میں شامل ہیں؟

ان موضوعات پر ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتابچہ

دینی فرائض کا جامع تصوّر

از: ڈاکٹر اسرار احمد

عمدہ کمپیوٹر کتابت ● صفحات ۴۰ ● قیمت: اشاعت خاص ۸/- اشاعت عام ۴/-

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن' ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور

سانحۂ چرار شریف اور حادثۂ عمران خان

پس منظر اور خدشات

امیر تنظیم اسلامی کے ۱۹/ مئی کے خطاب جمعہ کا آخری حصہ

"پاکستانی مسیحیوں کے لئے لمحہ فکریہ" کے علاوہ مجھے جن دو اہم موضوعات پر گفتگو کرنی ہے وہ ہیں "سانحہ چرار شریف" اور "حادثہ عمران خان"۔ بھارتی فوج نے مقبوضہ کشمیر میں چرار شریف کی درگاہ کو نذر آتش کر دیا ہے اور اس میں موجود مزار بھی خاکستر ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک نہیں کئی مسجدیں نذر آتش کر دی گئی ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک نہایت افسوسناک سانحہ ہے اور مسلمانوں کے لئے نہایت رنج اور صدمے کی بات ہے۔ اس کے خلاف ردعمل کے طور پر یہاں پاکستان میں ریلیاں منعقد ہو رہی ہیں۔ کل جماعت اسلامی کی ریلی تھی اور آج شاید پیپلز پارٹی کی کوئی ریلی منعقد ہو رہی ہے۔ اس طرح ایک ہنگامہ تو یقیناً بپا ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصل میں ہے کیا اور اس صورت حال میں ہمارا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے؟

سانحۂ چرار شریف-----اصل معاملہ کیا ہے؟

دراصل خواہ ایودھیا میں بابری مسجد کی شہادت کا سانحہ ہو خواہ چند سال قبل مسجد اقصیٰ کو آگ لگانے کا واقعہ ہو یا خواہ اب یہ چرار شریف کا معاملہ ہو' یہ اور اس طرح کے دیگر واقعات "isolated events" (متفرق واقعات) نہیں ہیں' بلکہ یہ سب کے سب یہود اور ہنود کی مشترکہ ریشہ دوانیوں کے مظہر ہیں۔ قرآن حکیم میں سورۃ المائدہ (آیت ۸۲) میں فرمایا گیا ہے :

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾

یعنی "تم پاؤ گے سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو"-----

چنانچہ مسلمانوں کا مشترکہ دشمن یہود اور ہنود مسلمانوں کی نبض دیکھ رہا ہے کہ ان میں کوئی حمیت باقی ہے یا نہیں؟ اس طرح کے واقعات کے نتیجے میں کوئی بڑا ردعمل تو نہیں ہو جائے گا؟ کوئی مسلمان حکومت ایسی تو نہیں جو ہمارے خلاف سینہ تان کے کھڑی ہو جائے؟ کوئی ہمارے ساتھ تجارتی تعلقات تو منقطع نہیں کر بیٹھے گا؟ یہ صرف نبض دیکھ کر اندازہ لگا رہے ہیں کہ مسلمانوں میں کوئی دم خم اور دین کے لئے غیرت و حمیت ابھی باقی ہے یا صورت فی الواقع یہ ہو چکی ہے کہ ع "حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے!"

اور اصل میں یہ ساری تمہید ہے مسجد اقصیٰ کو منہدم کرنے کی، جو یوں سمجھئے کہ اب بالکل سامنے کی بات ہے۔ پہلے میں کہتا تھا کہ یہ دو سالوں کی بات ہے، لیکن اب یہ چند مہینوں کا معاملہ ہے، کیونکہ یہودیوں نے مشرقی یروشلم کے اس رقبے پر قبضہ کر لیا ہے جو مسلمانوں کا تھا اور اس پر یاسر عرفات نے بھی احتجاج کر دیا ہے جو ہمہ تن اپنے آپ کو ان کے حوالے کر چکا ہے، ان کے آگے گھٹنے ٹیک چکا ہے، ان کی ساری شرطیں مان چکا ہے۔ لیکن آج وہ بھی احتجاج کر رہا ہے کہ یہ کیا کر رہے ہو، یہ تو ہماری شرائط صلح کے خلاف ہے۔ اور آج یہ معجزہ بھی ہوا ہے کہ اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل نے اسرائیل کی اس بنیاد پر مذمت کی ہے کہ اس نے عرب زمینوں پر قبضہ کیا ہے۔ یہودی دراصل ہیکل سلیمانی کے پورے علاقے کو گھیراؤ میں لے لینا چاہتے ہیں تاکہ وہ کسی بھی وقت اس میں کوئی تخریبی کارروائی کر سکیں۔ وہ کسی بھی وقت مسجد اقصیٰ کو نقصان پہنچا دیں گے اور کہیں گے کہ کوئی جنونی آکر یہ کام کر گیا ہے، ہم کیا کریں۔ اور جس طرح بابری مسجد کے بارے میں یہ فلسفہ پیش کیا جاتا ہے کہ "مسجد تو گر ہی گئی ہے، اب وہاں ہندوؤں کو رام مندر بنانے دو" اسی طرح مسجد اقصیٰ کے بارے میں کہا جائے گا کہ "مسجد تو گر ہی گئی نا، اب انہیں اپنا ہیکل تعمیر کرنے دو۔ اصل میں تو یہاں ہیکل ہی تھا نا!" اس کے لئے پہلے یہ علاقے خالی کروانے ضروری ہیں۔ اور اس کی مذمت کی قرارداد سیکیورٹی کونسل میں تنہا امریکہ کو ویٹو کرنی پڑی ہے، فرانس اور برطانیہ نے بھی اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اس وقت جس "فرنگ" کی رگ جاں یہود کے ہاتھ میں ہے وہ امریکہ بہادر ہے۔ اس "فرنگ" سے انہوں نے جو کام نکالنا تھا وہ ۱۹۱۷ء کے اعلان بالفور کی صورت میں نکال لیا۔ اب جو فرنگ ان کے ہاتھ میں ہے وہ امریکہ ہے۔ اخبار میں الفاظ ہیں کہ امریکہ نے بھی بڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ ویٹو کا استعمال کیا

ہے۔اس لئے کہ یہودیوں کو ناراض کرنا امریکہ کے بس میں نہیں۔میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہودی جب چاہیں گے U.S.A کے ٹکڑے کردیں گے' جیسے کہ U.S.S.R کے کردیئے ہیں۔وہاں کے اکنامک لیور کے اوپر ان کا ہاتھ ہے' ایک جنبش ہوگی' سٹاک مارکیٹ میں زلزلہ آئے گا' billions جو ہیں وہ زیرو ہو جائیں گے اور تہلکہ مچ جائے گا۔یہ بات معمولی نہیں ہے کہ سیکیورٹی کونسل میں برطانیہ اور فرانس بھی ساتھ نہیں دے رہے' لیکن امریکہ اس وقت اسرائیل کی حمایت میں چونکہ بالکل ننگا ہو گیا ہے اس لئے قرارداد کو ویٹو کر رہا ہے' اگرچہ ہچکچاہٹ کے ساتھ۔بہرحال مشرقی یروشلم کے اوپر ان کا جو قبضہ ہو رہا ہے یہ سب مسجد اقصیٰ کے انہدام کی تمہید ہے۔اور چرار شریف کی تباہی اور ایودھیا کی بابری مسجد کا انہدام بھی اسی سلسلے کی مربوط کڑیاں ہیں۔

مسئلے کا حل؟

سوال یہ ہے کہ اس کا حل کیا ہو؟ ہندوؤں نے بابری مسجد گرائی تو آپ نے یہاں مندر گرا دیئے اور پھر تاوان بھی دیا۔اور میں نے تو سنا ہے' اللہ کرے غلط ہو' کہ مندروں کی تعمیر کے لئے تاوان زکوٰۃ کی رقم سے ادا کیا گیا۔اب ریلیاں ہو گئیں' لیکن ان سے ہو گا کیا؟ ۱۹۶۷ء میں جب مسجد اقصیٰ میں پہلی مرتبہ آگ لگی تھی ویسا ردعمل تو اب ہو بھی نہیں رہا۔پھر ہندوستان میں بابری مسجد کے انہدام پر جو ردعمل ہوا تھا وہ چرار شریف کے سانحہ پر نہیں ہوا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ رفتہ رفتہ غیرت' حمیت' جرات' ہمت آخر ختم ہو رہی ہے۔گویا ع "حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے!"---ریلیوں سے کیا ہو گا؟ جلسوں سے کیا ہو گا؟ اسلامی ممالک کی تنظیم کی طرف سے قرارداد مذمت بھی اگر آجائے تو اس کا کیا حاصل؟ جب کہ کوئی ایک ملک بھی کھڑا ہو کر یہ کہنے کو تیار نہیں کہ ہم بھارت سے اپنے تعلقات منقطع کرلیں گے۔سفارتی نہ سہی' تجارتی تعلقات ہی منقطع کرنے کا اعلان کردیں۔اگر ایسا ہو گیا تو بنیا بھارت سوچنے پر مجبور ہو جائے گا۔اگر خلیجی ممالک اس کے لئے تیار ہو جائیں' سعودی عرب تیار ہو جائے تو بھارت کو دن میں تارے نظر آجائیں گے۔لیکن کوئی اس کے لئے بھی تیار نہیں ہے۔بھارت کا رویہ بلاشبہ قابل مذمت ہے اور اس مذمت میں ہم بھی اپنی آواز شامل کرلیتے ہیں' لیکن اس سے ہو گا کیا؟

میرے نزدیک اس کا حل صرف ایک ہے کہ اللہ کی جناب میں توبہ کرو' اس کی مدد حاصل کرو۔ تبھی معاملہ بہتر ہو گا ورنہ نہیں ہو گا۔ ایک کے بعد اگلی بے عزتی اور ایک سے دو سرا بڑا عذاب ہمارے اوپر آئے گا۔ لہٰذا اللہ کے بندے بن کر اللہ کا دین یہاں قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ﴾ "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔ اور اگر تم اللہ سے جنگ جاری رکھو' سودی معیشت پر اپنا پورا نظام استوار رکھو' نفاذ شریعت ایکٹ میں بھی سود کو برقرار رکھو تو اللہ تمہاری مدد کیونکر کرے گا؟ ایں خیال است و محال است و جنوں! کس حماقت میں مبتلا ہو؟ اللہ نے ۱۹۶۷ء میں مدد کی نہ ۱۹۷۱ء میں۔ آئندہ کیسے توقع کرتے ہو کہ وہ مدد کرے گا۔ اس ضمن میں اصل بنیادی بات تو یہی ہے جو میں نے عرض کی' یعنی پوری قوم کا توبہ کرنا اور یہاں اسلام قائم کرنا' لیکن فوری طور پر کم از کم اتنا تو ہو کہ بھارت اور اسرائیل سے تعلقات منقطع کئے جائیں۔ وہاں تو سارے عرب ممالک اسرائیل کے ساتھ تعلقات بحال کرنے کے لئے قطار باندھے کھڑے ہیں۔ سعودی عرب نے بھی تمام یہودی فرموں پر سے پابندی ہٹادی ہے۔ گویا جن کے ساتھ کاروبار پہلے حرام تھا اب حلال ہو گیا ہے۔ اور کمال تو یہ ہے کہ "حسن اور حسین" یعنی شاہ حسن اور شاہ حسین تو اسحٰق رابین کے سینے سے لگے ہوئے ہیں۔ حسنی مبارک تو پہلے ہی سر تسلیم خم کئے ہوئے تھے اور ترکی بہادر کا معاملہ بھی پہلے سے ہی سب کے سامنے ہے۔ اب باقی رہ کون گیا ہے؟ ادھر بھارت کے ساتھ بھی اگر ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ تجارتی تعلقات منقطع کر لیں تو محض قرار دادیں پاس کرنے سے کیا ہو گا؟ ہم گریہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں! ان کا کچھ حاصل نہیں۔ جلسوں اور ریلیوں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ یہ اکثر و بیشتر اپنی اپنی سیاسی دکانیں چمکانے کے دھندے ہیں' اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ الا ماشاء اللہ!

"حادثہ" عمران خان

اب آخری بات وہ ہے جسے میں نے "حادثہ عمران خان" کا نام دیا ہے' جو میرے نزدیک ایک اعتبار سے "سانحہ چرار شریف" سے کم نہیں ہے۔ جہاں تک خالص فقہی معاملہ ہے' کسی مسلمان کا کسی عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کرنا بالکل جائز ہے' اگرچہ وہ عیسائی یا یہودی

رہے۔ کوئی اسے حرام نہیں کہہ سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں اسے "اب" مکروہ کہتا ہوں۔ اس لئے کہ جب اس کی اجازت دی گئی تھی اس وقت اسلام غالب تھا' اور یہودی اور عیسائی مغلوب تھے۔ چنانچہ مسلمان مرد کو یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کی اجازت تھی۔ البتہ مسلمان عورت کی کسی یہودی یا عیسائی مرد سے شادی کی اجازت اس وقت بھی نہیں تھی۔ اس جواز کی حکمت یہی تھی کہ اس وقت مسلمان بحیثیت مجموعی بھی غالب تھے۔ اور مرد تو ویسے بھی غالب ہونا چاہئے' نہ رہے تو یہ بات دوسری ہے۔ لیکن اس وقت چونکہ صورتحال بالفعل (Defacto) بدل گئی ہے' لہٰذا میں اسے مکروہ یعنی ناپسندیدہ کہوں گا' حرام تو نہیں کہہ سکتا' اس لئے کہ دین تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو چکا ہے۔ پھر یہ کہ اگر وہ مسلمان بھی ہو گئی ہے تو پھر تو بات اور بھی بڑی اچھی ہے' اس میں حرج کی کوئی بات ہی نہیں۔ باقی جہاں تک نیت کا معاملہ ہے کہ وہ خلوص دل سے مسلمان ہوئی ہے یا صرف شادی کی ضرورت کے تحت' تو یہ اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ ہمیں کسی کی نیت پر شک کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

لیکن عمران خان کے معاملے میں یہ ساری باتیں تب درست ہوتیں اگر عمران خان ایک عام مسلمان ہوتا اور وہ حالقہ کوئی عام یہودی یا عیسائی عورت ہوتی۔ یہاں معاملہ عام کا عام کے ساتھ نہیں' بلکہ خاص کا خاص کے ساتھ ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ وہ کیا ہے؟ عمران خان عالم اسلام میں ایک کرکٹ کے ہیرو کی حیثیت سے ابھرا' مسلمانوں کے اندر معروف ہوا' ان کا محبوب بنا' ان کی آنکھوں کا تارا بنا۔ پھر اس نے خدمت خلق کا ایک بہت بڑا کام کیا یعنی کینسر کے علاج کا ہسپتال بنایا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے کچھ ایسے خیالات ظاہر کرنا شروع کر دیئے جن میں کچھ جراثیم مسلم فنڈامنٹلزم کے تھے۔ یہ ہے معاملہ خاص عمران خان کا۔ چنانچہ "ٹائم میگزین" جو امریکہ سے شائع ہوتا ہے اس میں اپریل کے آخری ہفتے میں ایک مضمون شائع ہونا تھا جس کا عنوان کچھ اس طرح تھا:

"A Cricket Star Turned Muslim Fundamentalist" فہرست میں لکھا تھا کہ فلاں صفحے پر یہ مضمون ہے' لیکن جب کھول کر دیکھا تو وہ مضمون وہاں نہیں تھا۔ کسی پوشیدہ ہاتھ نے اس مضمون کو وہاں شائع ہونے سے رکوا دیا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ بعد میں وہ مضمون شائع ہو گیا تھا' لیکن یہ کیسے پتہ چلے گا کہ یہ وہی مضمون تھا یا محض خانہ پری کی گئی اور اصل

مضمون کو تبدیل کر کے شائع کیا گیا۔ اس کا کوئی سبب تو ہے نا! "نیوز ویک" اور "ٹائم" جیسے رسالے کوئی ہمارے ہاں کے رسالوں کی طرح کے تو نہیں ہیں۔ Time میں یہ بات ہو جانا کہ فہرست میں ایک مضمون کا عنوان موجود ہے اور عملاً وہاں کچھ اور ہے' یہ تو انہونی بات ہے۔ یہ ہوئی ہے تو کسی بڑے طاقتور ہاتھ کے ذریعے ہوئی ہے۔ اور جب دوبارہ وہ مضمون شائع ہوا ہے تو گمان غالب ہے کہ وہ اصل مضمون نہیں ہے۔

پس منظر--- ممکنہ سبب

دراصل دنیا میں عمران خان سے ایک خطرہ سا محسوس کیا گیا کہ یہ پاکستان میں فنڈامنٹلزم کے فروغ کا باعث بن سکتا ہے۔ جنرل حمید گل صاحب بھی آنکھوں میں کھٹکتے تھے' لہٰذا انہیں آئی ایس آئی (ISI) سے نکلوایا گیا۔ انہوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم ایک پریشر گروپ بنانا چاہتے ہیں اور عمران خان اس گروپ کے اندر ایک اہم حیثیت حاصل کر رہا تھا۔ اس کا بھانڈا پھوڑنے کے لئے ایدھی صاحب کو ذریعہ بنایا گیا۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ ایدھی صاحب درحقیقت ہیں کون۔ یہ اس وقت میری گفتگو کا موضوع نہیں ہے۔ لیکن بہرحال میں عمران خان کے حوالے سے ساری تصویر آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اس سے خطرہ محسوس ہوا کہ

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے!

اور یہودیوں کی ہمیشہ سے جو ذہنیت رہی ہے اس کا ایک مظہر دو صدی پیشتر یہ سامنے آیا کہ ۱۷۷۶ء میں آرڈر آف ایلومیناٹی (The Order of Illuminati) قائم کیا گیا۔ امریکہ کے ایک ڈالر کے نوٹ پر جو ۱۷۷۶ء لکھا ہوا ہے' اس کے بارے میں کہا یہ جاتا ہے کہ یہ امریکی منشور آزادی پر دستخطوں کی تاریخ ہے جبکہ حقیقت میں یکم مئی ۱۷۷۶ء "The Order of Illuminati" کے قیام کی تاریخ ہے۔ اس آرڈر کا فلسفہ یہ تھا کہ پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی ہونہار نوجوان نظر آئے' کوئی جوہر قابل ہو' جس میں کوئی صلاحیت اور ذہانت ہو' اسے کسی طرح پھانس کر قابو کرو' تاکہ دنیا بھر کا ذہانت تمہارے شکنجے میں رہے۔ اس طرح دنیا بھر سے روشن خیال اور روشن ذہن کے لوگوں کو جمع کر کے منظم کرو

اور ان کے ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے لو۔ اسی "Order of Illuminati" کا اگلا قدم یہ تھا کہ ۱۸۹۷ء میں "Elders of the Zion" نے صیہونی تحریک کا آغاز کیا۔ لیکن یوں سمجھئے کہ اگر موجودہ یہودیت کا باپ اگر "Zionism" ہے تو اس کا دادا "Order of Illuminati" ہے۔ اور Zionism کے سب سے بڑے ستون یورپ کے یہودی بینکرز تھے' جن میں سے ایک اہم خاندان یہ گولڈ اسمتھ خاندان ہے جس سے عمران خان کا یہ رشتہ قائم ہوا ہے۔ یہ ساری چیزیں جوڑ لیجئے تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ یہ کیا ہو گیا' کیسے ہو گیا' کیوں ہو گیا؟ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس شخص کو اچک لیا گیا ہے' جکڑ لیا گیا ہے۔ ایک شخص جو برطانیہ میں رہا' وہیں پڑھا' اس کی ابتدائی زندگی ویسی ہی تھی جیسی وہاں کے لوگوں کی ہوتی ہے۔ ایسے شخص سے انہیں توقع نہیں تھی کہ وہ یکدم تبدیل ہو گا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ شخص مسلم فنڈامنٹلسٹ کے روپ میں ابھر رہا ہے اور پاکستان میں تو فنڈامنٹلزم کے لئے عوام میں پہلے ہی سے بارود موجود ہے' مولوی حضرات کی باتیں تو عوام نہیں سنتے' مگر یہ کرکٹ سٹار اگر فنڈامنٹلسٹ بن کر میدان میں آگیا تو بارود میں آگ لگ سکتی ہے' لہٰذا اسے انہوں نے کسی نہ کسی ذریعے سے قابو میں لانا ضروری سمجھا۔

حائقہ---- گھیرے میں لے لینے والی آفت!!

اب دیکھئے وہ لڑکی کون ہے۔ وہ گولڈ اسمتھ خاندان سے ہے' جس کے بارے میں میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ چوٹی کے صیہونی خاندانوں میں سے ایک ہے۔ سنا ہے کہ پہلی سلامی پانچ کروڑ پونڈ کی دی جا رہی ہے۔ یہ بینکرز تو اتنے سرمائے کے مالک ہیں کہ چالیس چالیس بلین ڈالر کا ایک چیک لکھ سکتے ہیں۔ پوری دنیا کی کرنسی ان کے قبضے میں ہے۔ اس خاتون کا جو "اسلامی نام" بتایا جا رہا ہے وہ بھی بڑا عجیب ہے۔ پہلے خبر آئی تھی کہ اس کا نام "حقہ" ہے۔ ٹھیک ہے' بڑی اچھی بات ہے' اچھا نام ہے۔ لیکن پھر معلوم ہوا کہ اس کا نام "حقہ" نہیں "حائقہ" ہے۔ حائقہ کے معنی کیا ہیں؟ "اوپر سے مسلط ہونے والا عذاب جو گھیرے میں لے لے"۔ قرآن مجید میں یہ لفظ نو مقامات پر صیغہ ماضی میں آیا ہے۔ ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ کے الفاظ متعدد جگہ آئے ہیں۔ یعنی "جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان پر مسلط ہو گئی' اس نے ان

کو اپنے گھیرے میں لے لیا"۔ سورۃ المومن (آیت ۴۵) میں فرمایا گیا: ﴿وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ "اور آل فرعون کو بدترین عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا"۔ تو یہ "حائقہ" جو نام رکھا گیا ہے محض اتفاق نہیں ہے بلکہ "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" کا مصداق ہے۔ یا تو یہ بات ہے کہ اب انہیں کوئی اندیشہ نہیں ہے' جو کریں گے کھل کر کریں گے' لہٰذا نام کا انتخاب بھی اسی منصوبے کا حصہ ہے۔ "حائقہ" عربی نام ہے۔ جو یقیناً سوچ سمجھ کر رکھا گیا ہوگا۔ "حقہ" ہوتا تو ٹھیک تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ یہاں کے لوگ اسے "حَقّہ" کے بجائے "حُقہ" پڑھ لیتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس شادی کا شان نزول بالکل اس لفظ کی مناسبت سے ہے۔ یہ ٹھونسی گئی ہے عمران کے اوپر۔ ورنہ رشتے کا اعلان تو بیٹے والوں کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس کا فوری اعلان وہاں لڑکی والوں کی جانب سے ہوا اور عمران خان سراسیمہ ہو کر یہاں سے بھاگا۔ یہاں ایک پریس کانفرنس میں اسے پہنچنا اور خطاب کرنا تھا' لیکن لوگ انتظار ہی کرتے رہ گئے' ان کے اپنے ہسپتال کے لوگ بیٹھے رہ گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی سے کوئی بات کئے بغیر وہ یہاں سے بھاگا۔ شاید سر توڑ کوشش کی ہو کہ کسی طریقے سے سیکنڈل سے بچ جاؤں۔ لیکن یہ بات قرین امکان ہے کہ وہاں جا کر اس کے سامنے سب کچھ رکھا گیا ہوگا کہ یہ یہ کچھ ہمارے پاس ہے' تمہارے یہ فوٹو ہمارے پاس ہیں۔ چنانچہ وہاں جا کر کہنا پڑا کہ ہم نے یہ رشتہ کیا ہے۔ واللہ اعلم! میرے نزدیک یہ شادی نازل ہوئی ہے' ٹھونسی گئی ہے' یہ یہودیوں کا وہ ہتھکنڈہ ہے جس کے ذریعے انہوں نے ملت اسلامیہ کو بالعموم اور ملت اسلامیہ پاکستان کو بالخصوص ایک ایسی شخصیت سے محروم کرنے کی کوشش کی ہے کہ جو یہاں مسلم فنڈامنٹلزم کے لئے موجب تقویت بن سکتا تھا۔

بہرحال جہاں تک میرا اور تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت سے وابستہ میرے ساتھیوں کا معاملہ ہے' ہمیں نہ تو ان دو طرفہ اسکینڈلز سے کوئی دلچسپی ہے جو اخبارات میں آ رہے ہیں کہ اتنی عورتوں کے دل ٹوٹ گئے' فلاں کا یہ ہو گیا۔ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ کس کس سے معاشقے رہے۔ جو شخص اس مغربی ماحول میں پلا بڑھا ہو' آخر بیالیس برس کی عمر تک کیا وہ تجرد و پارسائی کی زندگی گزار تا رہا ہوگا؟ تو اس کے حوالے سے جو جنسی اسکینڈلز اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں' ممکن ہے ان میں کچھ حقیقت بھی ہو' لیکن اب جبکہ اللہ نے اسے رجوع کی توفیق

دے دی تھی' اب توقع ہو رہی تھی کہ وہ ملت اسلامیہ پاکستان کی آنکھوں کا تارا بنے گا۔ میرے نزدیک عورتوں کے دل نہیں ٹوٹے' ملت اسلامیہ پاکستان کا دل ٹوٹا ہے۔ دل اس باپ کا ٹوٹا ہے جس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی ایک بیوہ عزیزہ سے شادی کرلے۔ کاش کہ وہ ایسا کر لیتا اور حضور ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہوتا۔ اس طرح وہ ملت اسلامیہ پاکستان کی آنکھ کا تارا بن جاتا۔

میں آج اس موضوع پر سوچ رہا تھا کہ مجھے اکبر الہ آبادی مرحوم کا ایک شعر یاد آیا۔ وہ شعر آپ کو اس وقت تک سمجھ میں نہیں آئے گا جب تک میں اس کا تاریخی پس منظر بھی آپ کو نہ بتا دوں۔ جواہر لال نہرو کے باپ موتی لال نہرو نے ایک انگریزی اخبار نکالا تھا اور ایک حسین و جمیل مسلمان نوجوان کو اس کا ایڈیٹر رکھا۔ موتی لال کی بیٹی وجے لکشمی پنڈت اس ایڈیٹر کے ساتھ بھاگ گئی۔ دونوں انگلستان جا رہے تھے کہ گاندھی جی نے جا کر اس لڑکے کے پاؤں میں اپنی ٹوپی یا پگڑی ڈال کر اس سے کہا کہ خدا کے لئے تم چلے جاؤ انگلستان' یہ پیسے بھی لے لو' لیکن اس لڑکی کو چھوڑ دو۔ اس پر اکبر الہ آبادی نے شعر لکھا تھا۔

یوسف کو نہ دیکھا کہ حسیں بھی ہے ' جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی!

یعنی معلوم ہوتا ہے کہ زلیخا کے میاں بھی ہمارے موتی لال نہرو کی طرح محض ایک لیڈر ہی تھے۔ انہوں نے بھی یہ نہیں دیکھا کہ جس کو ایڈیٹر رکھا ہے وہ کیسا ہے؟ اب بیٹی کا میل جول اس کے ساتھ ہوا تو اس کا نتیجہ تو وہی نکلنا تھا جو نکلا۔

بہر حال عمران خان پاکستان کی ایک پٹھان فیملی سے تعلق رکھنے والا لمبا چوڑا وجیہہ جوان ہے جو عالمی سطح پر بھی شہرت یافتہ ہے' تو ظاہر بات ہے کہ جتنی عورتوں کے جذبات منظر عام پر آئے ہیں نہ معلوم اور کتنی ہزاروں لاکھوں ہوں گی جن کے دل اس خبر سے مجروح ہوئے ہوں گے اور جن کا کہیں تذکرہ بھی نہیں آئے گا۔ لیکن ہمارے نزدیک تو اصل میں دل ٹوٹا ہے مسلمان عوام کا۔ اگرچہ اس ملک میں ایسے لوگ بھی ضرور ہیں' جیسا کہ خود عمران خان نے کہا ہے' جو عمران اور ریحانہ کی وطن واپسی پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کریں گے' لیکن کیا واقعتاً اس ملک کے مسلمان عوام اس شادی کو تسلیم کرلیں گے؟ ان کے اپنے احساسات ہیں' قوم کے اجتماعی تحت الشعور میں جو احساسات پروان چڑھے ہیں ان کے پیش نظر یہاں کے عوام کے لئے

اس کے اس اقدام کو دلی طور پر قبول کرنا ممکن نہ ہو گا۔

اس شادی کے بارے میں مختلف چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ کوئی نجومی کہہ رہا ہے کہ یہ کامیاب ہو گی' کوئی کہہ رہا ہے کہ کامیاب نہیں ہو گی' کسی نے کہا ہے ایک سال کے بعد ختم ہو جائے گی۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے' نہ نجومیوں کی باتوں سے ہمیں کوئی دلچسپی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ یہ شادی کامیاب ہو۔ بہرحال شادی ہوئی ہے' نکاح ہوا ہے' خواہ جیسے بھی ہوا ہے۔ اب اللہ کرے یہ کامیاب ہو اور ہماری دعا ہے کہ عمران خان اس جال سے بیوی کو لے کر نکل آئے۔ اللہ کی قدرت سے تو کچھ بعید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے محل میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرا دی تھی تو گولڈ اسمتھ کے خاندان سے بھی اللہ تعالیٰ ایسا کام کروا سکتا ہے۔ ہم تو یہی دعا کریں گے کہ ع "ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں" کے مصداق یہ سارے دام جو اس کے گرد پھیلائے گئے ہیں وہ انہیں توڑ کر نکل آئے۔

بظاہر احوال تو یہی نظر آتا ہے کہ یہ جبری شادی ہے جو اس پر مسلط کی گئی ہے۔ آخر واقعاتی شہادت (Circumstantial Evidence) بھی کسی بلا کا نام ہے۔ ورنہ سیدھی طرح یہیں سے شادی کا اعلان کر کے جاتے' کچھ خاندان والے بھی ساتھ گئے ہوتے۔ لیکن عمران خان یہاں سے جس انداز میں سراسیمہ ہو کر بھاگے ہیں یہ پس منظر تو ثابت کر رہا ہے کہ یہ ایک سکینڈل ہے جس میں وہ گرفتار ہو گئے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس صورت حال کو بدل دے' اس کو اس کا اختیار ہے' اور ہمیں ہمارا وہ کھویا ہوا مسلم فنڈ امٹلسٹ اللہ تعالیٰ لوٹا دے' اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ "حَاقَ" کا لفظ قرآن حکیم میں اس معنی میں بھی آیا ہے۔ "حَاقَ" سے مضارع کا صیغہ "یَحِیقُ" قرآن میں صرف ایک دفعہ سورۂ فاطر کی آیت ۴۳ میں آیا ہے ﴿وَلَا یَحِیقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ﴾ یعنی "کوئی بری چال مسلط نہیں ہوتی مگر اس کے اپنے چلنے والوں پر"۔ اللہ کرے کہ صیہونیت کی یہ چال اس آیت کا مصداق بن جائے اور یہ انہی کے اوپر الٹی پڑے اور اس ملت اسلامیہ پاکستان کو عمران خان سے جو توقع ہو گئی تھی کہ وہ یہاں اسلام کا اور اس ملک کی اپنی تہذیب و تمدن کے احیاء کا علمبردار بن کر کھڑا ہو گا' اللہ تعالیٰ وہ توقع پوری فرما دے۔ اللہ کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے۔ میں اسی دعا پر اپنی گفتگو ختم کر رہا ہوں۔ اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم .....

فتحِ مکہ

جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ

اندرونِ ملک عرب' انقلاب کی تکمیل اور بیرونِ ملک دعوتی و انقلابی جدّ و جہد کا آغاز

فتح مکہ کے بارے میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اندرون ملک عرب یہ گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کن غلبے اور اقتدار کی علامت ہے۔ اس لئے کہ عرب میں خواہ کوئی باقاعدہ مرکزی نظام موجود نہ تھا' کوئی باضابطہ مرکزی حکومت نہ تھی' بہرحال اس خطے میں "اُمّ القریٰ" ہونے کا مقام مکے ہی کو حاصل تھا۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ مکہ معظمہ کو مذہبی اور سماجی اعتبار سے ہی نہیں' معاشی اور سیاسی اعتبار سے بھی ملک عرب کے صدر مقام ہونے کی حیثیت حاصل تھی' جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ اور تمکن عطا فرمادیا۔ اور یوں اندرون ملک عرب آپؐ کی انقلابی جدوجہد تکمیل سے ہمکنار ہوئی۔

غزوۂ حنین ۔۔ مشرکین عرب کی جانب سے آخری کوشش

اس کے بعد صرف ایک مزاحمت ہوئی' اور وہ ہوازن اور ثقیف کے لوگوں کی طرف سے تھی۔ یہ قبیلے بڑے زوردار تھے۔ فتح مکہ کے بعد یہ اہل کفر اور شرک کی طرف سے گویا آخری کوشش تھی۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ادھر جنگ کے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں' جمعیت فراہم کی جارہی ہے' تو آپؐ نے جوابی اقدام کے طور پر اگلے ہی مہینے شوال ۸ھ میں ان کی سرکوبی کے لئے لشکر کشی کی۔ اس مہم کو غزوۂ حنین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بارہ ہزار کا لشکر آپؐ کے ہمراہ تھا۔ ان میں دس ہزار وہ تھے کہ جو مدینہ سے حضور ﷺ کے ساتھ فتح مکہ کے وقت آئے تھے اور مزید دو ہزار مکہ سے شریک ہوئے جن میں کچھ وہ بھی تھے جو

فتح مکہ کے بعد ایمان لے آئے تھے اور کچھ وہ بھی تھے جو ایمان تو نہیں لائے تھے لیکن اب ان کی حیثیت حلیفوں کی تھی۔ بارہ ہزار کا لشکر لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور وادی حنین میں وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر سورۂ توبہ میں سرزنش کے انداز میں آیا ہے:

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾

"اور یاد کرو حنین کے دن کو جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر کچھ ناز ہو گیا تھا تو وہ کثرت تمہارے کسی کام نہ آ سکی اور زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی"۔

اندازہ یہ ہوتا ہے کہ بعض حضرات کے ذہن میں یہ خیال آ گیا ہو گا کہ ایک وقت تھا کہ ہم تین سو تیرہ تھے تب ہم نے مار نہیں کھائی' تو آج تو بارہ ہزار ہیں' آج ہمیں کون شکست دے گا---!! اللہ تعالیٰ نے فوراً گرفت فرمائی اور مسلمانوں کو سبق سکھا دیا۔ ہوازن کے لوگ بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ وہ گھاٹیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ مسلمان جیسے ہی آگے بڑھے ادھر سے تیروں کی زبردست بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ ایسی بھگدڑ مچی کہ تقریباً پورا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ بعض روایات کے مطابق گنتی کے چند صحابہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے تھے۔ لیکن بعض روایات اور غالباً صحیح تر روایات کی رو سے چند سو صحابہ آپؐ کے ساتھ رہے۔ بارہ ہزار میں سے محض چند سو کا افراد کا باقی رہ جانا بھی بہرحال ایک بہت بڑی بھگدڑ سے کم نہیں!! اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی شجاعت کا ایک عجیب مظاہرہ سامنے آیا۔ آپ سواری سے اترے' علم اپنے ہاتھ میں لیا اور یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ کہ "جان لو کہ میں نبی ہوں اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور جان لو کہ میں عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں"۔ میرے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر ہو تب بھی نبی ہوں اور خواہ کوئی میرا ساتھ دینے والا نہ ہو تب بھی نبی ہوں۔ میری نبوت کا دارومدار میرے ماننے والوں کی قلت و کثرت پر نہیں ہے۔ اور یہ کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا میدان میں موجود ہوں۔ پھر آپؐ نے صحابہ کو پکارا: "يَا أَصْحَابَ الشَّجَرَةِ" اے وہ لوگو جنہوں نے میرے ہاتھ پر

ایک درخت کے نیچے بیعت کی تھی 'آؤ' میرے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ! اسی طرح مختلف لوگوں کو نام لے کر پکارا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لوگ جمع ہوئے اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔ یہ غزوۂ حنین گویا علامت بن گیا اس بات کی کہ اندرون ملک عرب اب کوئی ایسی طاقت موجود نہیں رہی جو خم ٹھونک کر مسلمانوں کے مقابلے میں آسکے۔ چنانچہ اس طرح جزیرہ نمائے عرب پر دین حق کا غلبہ مکمل ہو گیا۔

ایک اہم واقعہ

غزوۂ حنین کا ذکر نامکمل رہے گا اگر ایک اہم واقعے کا ذکر نہ کیا جائے کہ جس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سارے معاملات کس طرح بالکل انسانی سطح پر ہوئے۔ وہ ساری پیچیدگیاں اور وہ تمام مشکلات جو دنیا کی کسی بھی اجتماعی جدوجہد اور انقلابی عمل میں پیش آسکتی ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کا سامنا کرنا پڑا۔ غزوۂ حنین میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اس کی تقسیم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب کو مد نظر رکھتے ہوئے مکہ کے لوگوں کو کہ جو ابھی نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے' دوسروں کی نسبت زیادہ حصہ دیا۔ منافقین کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی کا موقعہ مل گیا۔ باتیں کی گئیں اور دھڑلے سے کی گئیں۔ صورتحال کچھ ایسی تھی کہ فی الواقع جنگل کی آگ کی طرح وہ باتیں پھیل گئیں۔ اعتراض کرنے والوں کی زبانیں بے لگام ہو گئیں اور کھلے عام یہ کہا جانے لگا کہ "جب جان دینے اور خون نچھاور کرنے کا وقت آتا ہے تو ہم لوگ یاد آتے ہیں اور جب مال کی تقسیم کا معاملہ ہوا تو اب اپنے بھائی بند اور اپنے ہم قبیلہ یاد آگئے' مال کی تقسیم میں انہیں ترجیح دی گئی ہے"۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب یہ بات ایسی تھی کہ بظاہر کچھ ایسی خلاف واقعہ بھی نہیں تھی۔ اس واقعہ کو صحیح پس منظر میں بھی دیکھا جا سکتا تھا اور غلط رخ بھی دیا جا سکتا تھا۔ بات پھیلتے پھیلتے حضورؐ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تدبر دیکھئے آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو مجتمع کیا۔ تمام انصار ایک بڑے خیمے میں جمع ہوئے۔ آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے اپنے احسانات کا یا یوں کہئے کہ اللہ کے احسانات کا جو آپؐ کے طفیل انصار پر ہوئے' تذکرہ فرمایا۔ اے معشر انصار' کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ تم گمراہی پر تھے' اللہ نے میرے ذریعے تمہیں ہدایت دی؟ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے' اللہ نے

میرے ذریعے تمہارے اندر محبت اور اتفاق پیدا کیا؟ انصار جواباً کہتے رہے : بَلٰی یارسولَ اللّٰہ - بلٰی یارسول اللّٰہ! حضورؐ' بالکل ایسا ہی ہے' اے اللہ کے رسولؐ آپ بالکل صحیح کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے خطاب کا رخ بدلا۔ ہاں اے معشرِ انصار! تم یہ کہو کہ اے محمد تمہیں تمہاری قوم نے اپنے گھر سے نکال دیا تھا' ہم نے تمہیں پناہ دی۔ تمہاری قوم تمہارے خون کی پیاسی تھی' ہم نے تمہاری حفاظت کی۔ اور میرا جواب ہو گا کہ ہاں' تم یہ صحیح کہہ رہے ہو' درست کہہ رہے ہو۔ تو اے معشر انصار' کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ لوگ بھیڑیں' بکریاں اور اونٹ اور دنیوی مال و اسباب لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم محمد رسول اللہ (ﷺ) کو لے کر اپنے گھروں کو لوٹو----!!! انصار کی چیخیں نکل گئیں۔ بے اختیار ان کی زبانوں سے نکلا :رَضِینا' رَضِینا' رَضِینا!--- ہم راضی ہیں اس پر' ہم راضی ہیں۔ اس طرح آپ کے حسن تدبیر کی بدولت ایک نہایت تشویش ناک صورتحال بالکل تبدیل ہو گئی اور مسلمانوں میں جوش و خروش اور جذبات ایمانی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ بہرحال غزوۂ حنین کے بعد جیسا کہ عرض کیا گیا اندرون ملک عرب' انقلاب محمدیؐ کی تکمیل ہو گئی۔

حج کے انتظامات-- آنحضورؐ کی حکمت عملی

تاہم' غلبہ دین حق کی تکمیل کے بعد بھی آپ ﷺ نے حج کے معاملے میں خصوصی حکمت عملی اختیار فرمائی۔ ۸ھ میں جب حج کا موقع آیا تو آپؐ نے سابق انتظام کو برقرار رکھا۔ مشرکین کو نہ صرف یہ کہ حج کرنے کا پورا موقعہ دیا بلکہ حج کا پورا انتظام بھی انہی کے ہاتھوں میں رہنے دیا۔ اگلے سال یعنی ۹ھ کے حج میں ایک تبدیلی کی گئی۔ مشرکین کو بھی اگرچہ اہل ایمان کے ساتھ حج کرنے کی اجازت برقرار رکھی گئی لیکن حج کے انتظامات کی ذمہ داری اب مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضورؐ نے امیرالحج مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ آپؓ کی زیر امارت سن نو ہجری کا حج ادا ہوا۔ اسی موقعے پر سورۂ براءۃ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں مشرکین مکہ کو آخری الٹی میٹم دیا گیا تھا۔ ان آیات کے نزول سے قبل حضرت ابوبکرؓ قافلہ حج لے کر روانہ ہو چکے تھے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ میرے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے اجتماع میں ان آیات کو پڑھ کر سناؤ اور اللہ کی جانب سے شرکین سے براءت کا اعلان کر دو۔ حضرت علیؓ جب حضورؐ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ابوبکرؓ

کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت علیؓ سے جو پہلا سوال کیا وہ ہمارے لئے بظاہر بڑا عجیب ہے۔ لیکن اس کا ذکر یہاں اس لئے کیا جا رہا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ حضورؐ نے جو اجتماعی نظام تشکیل دیا تھا اس میں ڈسپلن کی اہمیت کس قدر تھی۔ حضرت علیؓ کو دیکھتے ہی حضرت ابو بکرؓ نے پہلا سوال یہ کیا کہ: "امیرًا او مأمورًا؟" امیر بن کر آئے ہو یا بطور مامور آئے ہو۔ یعنی کیا حضورؐ نے آپ کو قافلہ حج کا امیر معین کر کے بھیجا ہے یا امارت کی ذمہ داری بدستور مجھ پر ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ امیر آپ ہی ہیں، میں مامور کی حیثیت سے آیا ہوں، تاہم بات صرف اتنی ہے کہ حضورؐ کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے اس اجتماع حج میں یہ آیاتِ براءۃ میں پڑھ کر سناؤں گا۔ اس خدمت پر مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور فرمایا ہے۔

﴿ بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

مشرکین عرب کے لئے آخری الٹی میٹم

سورۂ براءۃ کی یہ ابتدائی آیات درحقیقت اس بات کا اعلان عام ہے کہ اب جزیرہ نمائے عرب میں کفر اور شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اب تو صورت یہ ہے کہ: ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ﴾ حق آگیا ہے اور باطل نیست و نابود ہو چکا ہے۔ چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ اشہر حرم کے ختم ہوتے ہی مشرکین کا قتل عام شروع کر دیا جائے: ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ ترجمہ: "پس جب محترم مہینے ختم ہو جائیں تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی انہیں پاؤ!" اب اس جزیرہ نمائے عرب میں کفر اور شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ صرف اہل کتاب کو یہ ایک اختیار دیا گیا کہ وہ اگر چاہیں تو چھوٹے ہو کر رہ سکتے ہیں: ﴿ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾ ترجمہ: "وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور چھوٹے ہو کر رہیں"۔ یعنی وہ اگر چاہیں تو اپنے مذہب پر عمل پیرا رہیں، اپنے نجی معاملات میں وہ نصرانیت یا یہودیت پر برقرار رہنا چاہیں تو رہیں، لیکن اب یہاں اللہ کا دین غالب ہو گا اور انہیں اس کی بالادستی کو قبول کرنا ہو گا۔ مشرکین عرب یعنی بنی اسماعیل کو یہ رعایت نہیں دی گئی، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی میں سے تھے۔ آپ کی اولین بعثت "اُمّیّین" ہی میں تھی۔ انہی کی زبان بولتے ہوئے

آپ تشریف لائے' آپ اسی قوم میں سے تھے گویا کہ مشرکین عرب پر اللہ کی طرف سے اتمام حجت بدرجہ آخر اور بتمام و کمال ہو چکا' لہٰذا ان کے لئے اب کوئی رعایت اور کوئی گنجائش نہیں!!

ہجرت کے دسویں سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس فریضہ حج ادا فرمایا اور ہجرت کے بعد یہی آپ کا پہلا اور آخری حج ہے۔ اس میں آپ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو تاریخ کے اوراق میں نمایاں طور پر ثبت ہے۔ عرب کے کونے کونے سے آئے ہوئے سوا لاکھ سے زائد افراد میدان عرفات میں جمع تھے۔ گویا آپ کی ۲۳ سالہ کمر توڑ دینے والی مساعی کا حاصل آپ کے سامنے گوش بر آواز تھا۔ اس موقع پر آپ نے حاضرین سے یہ گواہی بھی لے لی کہ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا' تبلیغ کا جو بار گراں مجھ پر ڈالا گیا تھا' میں نے اس کا حق ادا کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے بھی یہ عرض کر کے کہ "اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ" (اے اللہ' تو بھی گواہ رہ کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا) آپ نے اطمینان کا سانس لیا گویا اس عظیم ذمہ داری کا بوجھ آپ کے کاندھوں سے اتر گیا۔ سورۃ الفتح کی آخری آیات کے درس میں یہ مضمون ہمارے مطالعے سے گزر چکا ہے کہ :

﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ۝﴾

آیت کے آخری الفاظ کہ "اور کافی ہے اللہ بطور گواہ" کا ربط جڑ جاتا ہے حضور ﷺ کے اس فرمان سے کہ "اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ" اے اللہ' تو گواہ رہ کہ اس جزیرہ نمائے عرب پر تیرے دین کا غلبہ مکمل ہو گیا۔

بیرون عرب دعوتی سرگرمیاں

یہ تو معاملہ تھا اندرون ملک عرب کا' اب آیئے' اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ بیرون عرب صورتحال کیا تھی۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ آپ کی بعثت خصوصی اہل عرب کی طرف تھی اور بعثت عمومی پوری نوع انسانی کی طرف (اِلٰی کَآفَّۃِ النَّاسِ) اس بعثت عمومی کے ضمن میں بھی نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرائض کی ادائیگی کا آغاز اپنی حیات طیبہ میں فرمادیا تھا اور پھران فرائض کو امت کے حوالے کرکے آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے' جبکہ بعثت خصوصی کی ذمہ داری کل کی کل آپؐ نے بنفس نفیس ادا فرمائی۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقعے پر اس کی تکمیل کا اعلان بھی اللہ کی جانب سے ہوگیا :

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾

بعثت عمومی کے ضمن میں آغاز کار کے طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اقدامات کئے' ان کا ایک خاکہ ذہن میں جمالیجئے! صلح حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی' اور اس کے بعد آپؐ نے آس پاس کے حکمرانوں کی طرف دعوتی خطوط لکھے۔ حضرت عبداللہ ابن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورؐ کا نامہ مبارک لے کر خسرو پرویز کے دربار میں پہنچے۔ اس بدبخت نے آپؐ کے نامہ مبارک کو چاک کردیا اور انتہائی گستاخی کی روش اختیار کی۔ وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ عرب کا سارا علاقہ اس کی سلطنت میں شامل ہے اور عرب میں رہنے والے سب اس کی رعیت ہیں۔ چنانچہ اس نے یمن کے ایرانی گورنر کو حکم بھیجا کہ (معاذاللہ' نقل کفر' کفر نباشد) یہ کون گستاخ شخص ہے جس نے مجھے خط لکھنے کی جرات کی ہے' اس کو فوراً گرفتار کرکے میرے دربار میں حاضر کرو!---- وہاں سے دو اشخاص خسرو پرویز کے حکم کی تعمیل میں آپؐ کے پاس مدینہ پہنچے کہ ہمارے بادشاہ نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا' میں تمہاری بات کا جواب کل دوں گا۔ اگلی صبح آپؐ نے ان دونوں کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ تمہارا رب (بادشاہ) قتل ہوچکا ہے۔ اور فی الواقع اسی رات وہ اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ آپؐ کے یہ الفاظ بھی تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں کہ خسرو پرویز نے میرا خط چاک نہیں کیا اپنی سلطنت کے ٹکڑے اڑادیئے ہیں۔ اور وہ سلطنت واقعتاً نسیاً منسیاً ہو کر رہی۔

قیصر روم ہرقل کے دربار میں آپؐ کا نامہ مبارک لے کر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے۔ وہ شخص اہل کتاب میں سے تھا' نصرانی تھا' صاحب علم تھا۔ اس کو یہ پہچاننے میں دیر نہیں لگی کہ یہ وہی رسول ہیں جس کے ہم منتظر تھے۔ لیکن حکومت اور سلطنت کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں پڑی ہوئی تھیں لہٰذا وہ ایمان لانے سے محروم رہا۔ تاہم اس نے بھرپور

کوشش کی کہ پوری سلطنت اسی طرح اجتماعی طور پر اپنا مذہب تبدیل کر کے اسلام لے آئے جیسے اس سے قبل ایک بار اپنے شہنشاہ کی پیروی میں پوری سلطنت نے عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نے دربار لگایا۔ ان دنوں بیت المقدس کے نزدیک غزہ شہر میں حضرت ابو سفیان جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے' تجارتی قافلہ لے کر پہنچے ہوئے تھے۔ انہیں قیصر روم کے دربار میں طلب کیا گیا۔ بھرے دربار میں جو گفتگو ہوئی اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قیصر چاہتا کیا تھا! ہرقل نے اپنے سوالات کے ذریعے یہ کوشش کی کہ ان کے جواب سن کر درباریوں پر یہ بات واضح ہوتی چلی جائے کہ آپؐ نبی برحق ہیں' آپؐ ہی رسول آخرالزماں ہیں۔ (یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ حضرت ابو سفیان نے جو اس وقت مشرکین کے قافلے کے سردار تھے' ہر سوال کے جواب میں صحیح بات بتائی اور غلط بیانی سے گریز کیا) لیکن اس کے درباریوں اور خاص طور پر بطارقہ یعنی عیسائی پادریوں کا ردعمل نہایت مخالفانہ تھا۔ طیش کے عالم میں ان کے نتھنوں میں سے خرخراہٹیں نکل رہی تھیں۔ ہرقل نے محسوس کیا کہ اس طرح تو اس کا تخت اقتدار ڈول جائے گا۔ لہٰذا ایمان سے محروم رہ گیا۔

اسی طرح مصر کا حکمران مقوقس بھی عیسائی تھا۔ اس کے پاس جب آپؐ کا نامہ مبارک پہنچا تو اسے بھی پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ اس نے جان لیا کہ آپؐ نبی برحق ہیں۔ اس نے آپؐ کے ایلچی کا احترام کیا' کچھ تحفے تحائف بھی حضورؐ کی خدمت میں بھیجے۔ لیکن ایک شخص شرحبیل بن عمرو نے جو رؤساء شام میں سے تھا اور قیصر روم کے زیر اثر سمجھا جاتا تھا' گستاخی کی انتہا کر دی۔ اس کی جانب حضرت حارث بن عمیرؓ حضورؐ کے ایلچی کے طور پر آپؐ کا نامہ مبارک لے کر گئے۔ شرحبیل بن عمرو نے انہیں شہید کر دیا۔ یہ واقعہ مملکت روم کے ساتھ اسلامی ریاست کے تصادم کی بنیاد بن گیا۔

سلطنتِ روم کے ساتھ تصادم کا آغاز

سفیر کا قتل بین الاقوامی اخلاقیات میں ایک بہت بڑا جرم تصور کیا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قصاص کے لئے تین ہزار کا ایک لشکر تیار کیا اور اسے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر کمان شام کی طرف روانہ کیا۔ یہاں سے گویا اب بیرون عرب

تصادم کا آغاز ہو گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگی طور پر یہ ہدایت دے دی تھی کہ اگر حضرت زیدؓ شہید ہو جائیں تو پھر کمان حضرت جعفر طیارؓ کے ہاتھ میں ہو گی' وہ بھی اگر شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہؓ بن رواحہ لشکر کے امیر ہوں گے۔ ادھر سے شرحبیل بن عمرو ایک لاکھ کی فوج کے ساتھ مقابلے پر آیا۔ یہاں اب مشورہ ہوا' تین ہزار کا ایک لاکھ کے ساتھ مقابلہ ہے' جنگی نقطہ نگاہ سے کوئی نسبت اور تناسب نہیں بنتا۔ آیا لوٹ جائیں یا آگے بڑھیں اور ٹکرا جائیں ----!!! مسلمانوں کا ذوق شہادت اور جذبہ جہاد غالب آیا۔ فیصلہ ہوا کہ نہیں' فتح و شکست کے بارے میں سوچنا ہمارا کام نہیں' ہمیں تو اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ مقابلہ ہوا۔ یکے بعد دیگرے حضرت زیدؓ بن حارثہ' حضرت جعفرؓ طیار اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ تینوں شہید ہو گئے' رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم اجمعین۔ اور پھر کمان ہاتھ میں لی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ایک نہایت خونریز جنگ کے بعد جیسے بھی بن پڑا' بڑی حکمت اور مہارت کے ساتھ اس لشکر کو دشمن کر نرغے سے نکال کر لے آئے۔ جب یہ لشکر مدینے واپس پہنچا تو بعض لوگوں نے اس خیال سے کہ یہ بھگوڑے ہیں اور جان بچا کر میدان جنگ سے بھاگ آئے ہیں' لشکر پر باقاعدہ خاک پھینکی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بلکہ اس لشکر کے دفاع میں سورۃ الانفال ہی کے الفاظ کا حوالہ دیا کہ یہ بھاگ کر آنے والے نہیں ہیں بلکہ ان کا یہ عمل تو "مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ" (یعنی جنگی حکمت عملی کے تحت دوسری فوج سے جا ملنے کے لئے پیچھے ہٹنا) کے زمرے میں آئے گا۔ اس لئے کہ یہ لوگ اپنی جماعت کی طرف لوٹ کر آئے ہیں تاکہ ایک نئی تیاری کے ساتھ اور پورے اہتمام کے ساتھ از سر نو حملہ کیا جا سکے۔

غزوۂ تبوک--نہایت کٹھن آزمائش

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفیر عام فرما دیا۔ اعلان عام کر دیا گیا کہ اب وقت ہے کہ سب لوگ اللہ کے راستے میں نکلیں۔ اللہ کے دین پر ایک کٹھن مرحلہ آگیا ہے' سلطنت روما کے ساتھ تصادم درپیش ہے' وقت کی عظیم ترین قوت سے۔ آج کی اصطلاح میں ہم یوں کہیں گے کہ سپر پاور زمیں سے ایک کے ساتھ تصادم کا آغاز ہو رہا ہے۔ لہٰذا ہر شخص اللہ

کی راہ میں نکلے۔ سیرت میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح نفیر عام کی گئی۔ یہ ہجرت کا نواں سال تھا۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ تبوک کی جانب پیش قدمی کرنی تھی جو مدینہ سے چھ' سات سو میل کی مسافت پر تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ قحط کا سا عالم تھا اور اب کھجور کی فصل پک کر تیار تھی۔ اندیشہ تھا کہ اگر سب لوگ یہاں سے چلے گئے تو ان فصلوں کو اتارنے والا کوئی نہ ہو گا اور یہ برباد ہو جائیں گی۔ پھر یہ کہ ٹکراؤ کس سے ہے؟ سلطنت روما سے!!! اب تک تو مسلمانوں کا مقابلہ اپنے ہم پلہ عربوں کے ساتھ تھا۔ مسلمان خود عرب تھے اور ان کے مقابلے میں بھی عرب قوت تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ افواج کی تعداد اور سامان حرب کے لحاظ سے ایک اور دس کی نسبت تھی۔ لیکن یہ کہ عرب کا تصادم سلطنت روما کے ساتھ ----!!! کوئی نسبت تناسب بنتا ہی نہیں۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران اہل ایمان کے ایمان کی آخری اور سب سے کڑی آزمائش ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ توبہ میں تفصیل کے ساتھ اس سفر تبوک میں پیش آنے والے حالات و واقعات کا ذکر بھی ہے اور ان پر ایک مفصل تبصرہ بھی وارد ہوا ہے۔ سیرت طیبہ میں اس غزوے کو جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا نقطہ عروج قرار دیا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ تیس ہزار کا لشکر لے کر محمد رسول اللہ' صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے اور ایک نہایت طویل اور پر صعوبت سفر طے کر کے تبوک پہنچے۔ (سیرت کی کتابوں میں اس مہم کو "جیش العسرۃ" یعنی نہایت سختی اور تنگی کا لشکر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) تبوک میں بیس دن آپؐ نے قیام فرمایا۔ ہرقل قیصر روم وہاں سے کچھ دور زیادہ فاصلے پر نہیں تھا' قریب ہی موجود تھا۔ لاکھوں کی تربیت یافتہ افواج (Standing Armies) اس کے ساتھ تھیں۔ لیکن وہ مقابلے کی ہمت نہ کر سکا' بلکہ طرح دے گیا۔ مقابلے پر آنے سے گریز کیا۔ یہ ایک سوالیہ نشان ہے مورخین کے سامنے کہ اس کی وجہ کیا ہوئی؟--- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیس دن تک تبوک میں مقیم رہے۔ پورے علاقے پر آپؐ کی دھاک بیٹھ گئی۔ مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ قائم ہو گیا۔ آس پاس کے رؤساء نے آگے اطاعت قبول کی اور اس طرح گویا کہ بیرون ملک عرب اسلام کی دعوت اور اس کے پھیلاؤ کا آغاز ہو گیا' لیکن ہرقل سامنے نہیں آیا۔ اس کی واحد وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ جانتا تھا کہ مقابلے پر اللہ کے رسولؐ ہیں' ان کے ساتھ ٹکرانے کا نتیجہ اس پر خوب عیاں تھا' لہٰذا وہ طرح دے گیا اور مقابلے میں نہ آیا۔

(جاری ہے)

تنظیمِ اسلامی کی دعوت

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے زیر اہتمام ایک دعوتی اجتماع میں
امیر تنظیم اسلامی کا فکر انگیز خطاب

(گزشتہ سے پیوستہ)

اقامتِ دین کے دو ناگزیر لوازم

جیسا کہ میں نے عرض کیا' اقامتِ دین کا کام سب سے کٹھن ہے۔ اس لئے اس مرحلے پر اب جماعت کی شکل ناگزیر ہے۔ نظام انفرادی کوششوں سے نہیں بدلا کرتا۔ آپ غور کیجئے' بڑی سامنے کی بات بتا رہا ہوں کہ دنیا میں سینکڑوں نبی (علیہم الصلوٰۃ والسلام) آئے اور نبی کی شخصیت میں تو کسی اعتبار سے کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ ان کا اللہ پر ایمان' ان کا تقویٰ اور اخلاق و کردار' ہر پہلو سے کامل ہوتا ہے۔ لیکن انفرادی حیثیت میں وہ بھی نظام تبدیل نہیں کر سکے' اس لئے کہ لوگوں نے ساتھ نہیں دیا۔ ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کو لیجئے جو خلیل اللہ' ابوالانبیاء اور امام الناس ہیں' لیکن آپؑ نے کہیں اسلام کا نظام قائم نہیں کیا' اس لئے کہ لوگ ساتھ نہیں آئے۔ عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور "کَلِمَۃٌ مِّنْہُ" تھے' لیکن وہ بھی نظام قائم نہیں کر سکے۔ موسیٰ علیہ السلام مصر سے چھ لاکھ کی نفری لے کر نکلے تھے' جن میں سے بوڑھے' بچے اور عورتیں نکال دیں تو کم از کم پچاس ہزار بلکہ میرے اندازے کے مطابق ایک لاکھ افراد تو جنگ کرنے کے قابل ہوں گے' لیکن جب جنگ کا مرحلہ آیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے دیا کہ "فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ○" یعنی "جاؤ موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو' ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"۔ یہ کٹھن کام ہم سے نہیں ہوتا' ہم سے جانیں نہیں دی جاتیں۔ تو کیا نتیجہ نکلا؟ حضرت موسیٰؑ بھی اپنی قوم سے اس درجے بیزار ہوئے کہ بارگاہِ الٰہی میں عرض

کیا: "رَبِّ اِنِّی لَا اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِی وَاَخِی فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ" یعنی "اے پروردگار (میں کیا کروں) مجھے اختیار ہے تو بس اپنی جان کا اور اپنے بھائی (ہارون) کی جان کا (باقی کسی پر میرا زور نہیں چلتا) پس تو میرے اور ان فاسقوں کے مابین تفریق کردے"۔ (اب میں ان ناہنجاروں کے ساتھ رہنے کو بھی تیار نہیں ہوں۔) اندازہ لگائیے کہ وہی نبیؑ جس کے اندر اپنی قوم کی محبت اس درجے میں تھی کہ ایک اسرائیلی کا ایک قبطی کے ساتھ جھگڑا ہو رہا تھا اور اس نے حضرت موسیٰؑ سے فریاد کرتے ہوئے مدد چاہی تو حضرت موسیٰؑ نے اس قبطی کو ایسا مکہ رسید کیا کہ اس کی جان نکال دی' لیکن اب اسی قوم سے بیزاری کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان سے علیحدگی کی درخواست کر رہے ہیں کہ میں ان بدبختوں کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہوں۔ اللہ نے فرمایا کہ نہیں' رہنا تو ساتھ ہی پڑے گا' البتہ ان کو ہم نے یہ سزا دی ہے کہ "فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ" کہ اب اپنی اس بزدلی کی وجہ سے یہ چالیس برس تک ارضِ مقدس سے محروم کردیئے گئے ہیں' یہ اسی صحرائے تیہ میں بھٹکتے پھریں گے۔ انہی چالیس سالوں کے دوران موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) دونوں کا انتقال ہو گیا اور وہ دونوں اپنی آنکھوں سے اس نظام کو قائم نہیں دیکھ سکے بلکہ اس کی حسرت ہی دل میں لئے ہوئے رخصت ہو گئے۔

نظام کب قائم ہوا؟ جب چشمِ فلک نے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کا نقشہ دیکھا' جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ جماعت وجود میں آئی جنہوں نے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی:

بَایَعنا رَسولَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم علیٰ السَّمع وَالطاعةِ فی العُسرِ وَالیُسرِ وَالمَنشطِ وَالمَکرهِ وَعلیٰ اثرةٍ عَلینا وعلیٰ اَن لا ننازع الامرَ اَهلَه وعلیٰ اَن نقولَ بِالحَقِّ اینما کنا لانخاف فی اللّٰهِ لَومَةَ لائِم

"ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے اس بات پر بیعت کی ہے کہ آپؐ جو حکم دیں گے اسے مانیں گے' چاہے مشکل ہو چاہے آسان ہو' چاہے اس کے لئے ہماری

طبیعتیں آمادہ ہوں اور چاہے ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے' چاہے ہم پر دوسروں کو ترجیح دے دی جائے' اور جنہیں آپؐ ذمہ دار بنائیں گے ان سے جھگڑیں گے نہیں' البتہ جو حق بات ہوگی وہ ہم کہہ کر رہیں گے اور اللہ کے دین کے معاملے میں ہم کسی ملامت گر کی پروا نہیں کریں گے"۔

اِس عہد اور قول و قرار میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" ﷺ کے ساتھ "وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ" رضی اللہ عنہم بندھ گئے تو نظام قائم ہوا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور اس کے راوی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں۔

بہرحال "اقامتِ دین" کی اس جدوجہد کے لئے التزامِ جماعت فرض ہے۔ اسے اس مثال سے سمجھئے کہ نماز فرض ہے' لیکن کیا یہ بغیر وضو ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں اچنانچہ نماز کے لئے وضو بھی فرض ہو گیا' حالانکہ وضو مقصود نہیں ہے۔ ایک بڑا پیارا شعر یاد آرہا ہے' مضمون بہت ثقیل ہو گیا ہے لہٰذا تھوڑا سا لطافت کا رنگ بھی آجائے۔

یہ نہ سمجھو کہ یہ نمازی ہیں
میر صاحب وضو کے عادی ہیں

وضو کرتے رہتے ہیں' نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن اس کے برعکس نماز پڑھنے کے لئے وضو لازم ہے اور وضو کے لئے پاک پانی لازم ہے۔ اگر کوشش کے باوجود پاک پانی نہیں ملا تو پھر تیمم اس کا قائم مقام ہو جائے گا' لیکن پاک پانی تلاش کرنا فرض ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر پانی کچھ فاصلے پر بھی ہے تب بھی تم کو تیمم کرنے کا حق نہیں' بلکہ جا کر پاک پانی لے کر آؤ! اسی طرح پر اقامتِ دین کے لئے جماعت فرض ہے اور جماعت کے لئے بیعت فرض ہے۔ ترتیب وہی ہے۔ پاک پانی کی جگہ بیعت کو' وضو کی جگہ جماعت کو' اور نماز کی جگہ اقامتِ دین کو رکھئے۔ جس طرح نماز فرض ہے' اس کی ادائیگی کے لئے وضو فرض ہے اور وضو کے لئے پاک پانی فرض ہے اسی طریقے پر اقامتِ دین کی جدوجہد فرض ہے' اس کے لئے جماعت لازم ہے اور جماعت کے لئے بیعت لازم ہے۔ اقامت دین جیسا کٹھن کام ڈھیلی ڈھالی جماعت سے نہیں ہوتا' چار آنے کی ممبری والی جماعت سے یہ کام نہیں ہوتا۔ انقلاب لانے کے لئے بڑی منظم (Organized) اور disciplined جماعت درکار

ہے۔ سمع وطاعت (listen and obey) والی جماعت درکار ہے۔ لیکن اس ضمن میں اِس جماعت اور صحابہ کرامؓ کی جماعت میں یہ فرق ہو گا کہ حضور ﷺ کی اطاعت مطلق تھی' آپؐ جو بھی حکم دیں اس کی اطاعت فرض تھی' کیونکہ آپؐ غلط حکم دے ہی نہیں سکتے۔ آپؐ تو اللہ کے نبی ہیں۔ آپؐ کی شان میں سورۃ النجم میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں :

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾

"اور وہ ﷺ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے' یہ تو ایک وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے"۔

البتہ حضور ﷺ کے بعد جس سے بھی بیعتِ سمع وطاعت ہو گی "فی المعروف" کی شرط کے ساتھ ہو گی۔ یعنی کوئی بھی امیر شریعت کے دائرہ کے اندر اندر حکم دے سکتے ہیں۔ سر آغا خان کی طرح کی اطاعت نہیں ہے کہ وہ چاہیں تو شراب کو جائز قرار دے دیں اور چونکہ سر آغا خان اجازت دے رہے ہیں اس لئے وہ جائز ہو گئی۔ نہیں' شراب حرام ہے' حرام ہی رہے گی۔ کسی امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شراب کو حلال قرار دے دے' کسی پیر کو یہ حق حاصل نہیں کہ آپ کو نماز سے بری قرار دے دے۔ ایسے ملنگ قسم کے پیر آپ کو اسی شہر لاہور میں مل جائیں گے کہ ان کو نذرانے دے دیا کیجئے' باقی کیا ضرورت ہے نماز کی۔ وہ آپ کو نماز سے فرار کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ ایسی اطاعت سراسر گمراہی ہے۔ شریعت کے دائرے کے اندر اطاعت مطلوب ہے۔ شریعت کے اوامر' اوامر رہیں گے اور شریعت کے نواہی' نواہی رہیں گے۔ شریعت نے جس چیز کو حرام اور ممنوع کہا ہے وہ حرام اور ممنوع رہے گی اور جس کو فرض اور واجب کہا ہے وہ فرض اور واجب رہے گی۔ اس دائرے کے اندر اندر امیر جماعت جو حکم دے گا اس کا ماننا ضروری ہو گا۔

مزید برآں تنظیمی معاملات میں مشورہ بھی ضروری ہے' بفحوائے ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ --- لیکن مشورہ کے بعد فیصلہ گنتی سے نہیں ہو گا' ع "بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے" والی بات نہیں ہو گی۔ مشورہ امیر کی ضرورت ہے' لہٰذا آپ کا امیر آپ کے مشوروں سے فائدہ اٹھائے گا' اسے کیا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنی ہے جو وہ آپ کا اچھا مشورہ رد کر دے' چنانچہ اپنی امکانی حد تک بہتر سے بہتر رائے تک پہنچنے کے لئے

وہ آپ کے مشورے سے استفادہ کرے گا' لیکن بہرحال فیصلہ اسی کے اختیار میں ہے۔ یہ ہے وہ نظمِ جماعت جو اقامتِ دین کے لئے لازم ہے اور لازم ہونے کے درجے میں فرض ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "مَن مَاتَ وَلَیس فِی عُنقِہٖ بَیعۃٌ مات مِیتۃَ الجَاھلیۃ" یعنی "جو مسلمان اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں ہے وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ آپ حدیث کے الفاظ پر غور کیجئے۔ جس طرح آپ کوئی جانور لے کر جاتے ہیں اور اس کی گردن کا پٹہ آپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے بالکل وہی الفاظ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے لئے استعمال کئے ہیں۔

صوبہ سرحد کے ایک بہت بڑے عالمِ دین مجھ سے ملنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ دوران گفتگو فرمانے لگے کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت کے اندر امیر کو شوریٰ کے مشورے کا پابند ہونا چاہئے۔ یعنی شوریٰ کی اکثریت کے فیصلے کو ماننا امیر پر لازم ہونا چاہئے۔ ان کے ساتھ ایک مقامی عالمِ دین بھی تھے۔ میں نے کہا : جناب "امیر" کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ فرمایا : حکم دینے والا! میں نے کہا کہ پھر اس لفظ کو چھوڑ دیجئے اور صدر کا لفظ اختیار کیجئے۔ اس لئے کہ ہمارے ہاں آج کل جو مغربی تصور ہے اس میں تو پریذیڈنٹ ہی ہوتا ہے۔ پھر میں نے کہا : اچھا یہ فرمائیے کہ آمر کسے کہتے ہیں؟ اس پر وہ ٹھٹھکے۔ میں نے کہا : "امیر" کا لفظ "آمر" سے زیادہ گاڑھا ہے یا نہیں؟ آمر تو اسم فاعل ہے اور اسم فاعل عارضی ہوتا ہے جبکہ صفتِ مشبہ فعیل کے وزن پر آتی ہے اور وہ صفت مستقل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امیر میں تو آمریت بدرجہ اَتم موجود ہونی چاہئے۔ اس پر موصوف کے ساتھ آنے والے مقامی عالمِ دین کہنے لگے : "مولانا' ڈاکٹر صاحب اس موضوع پر خوب تیار ہیں' ان کے ساتھ ذرا سنبھل کر بات کیجئے"۔

تو جان لیجئے کہ "امیر" تو "آمر" سے بھی زیادہ سخت لفظ ہے۔ چنانچہ معروف کے دائرے کے اندر اندر امیر کا ہر حکم ماننا ہو گا' جبکہ نفس اسی کو گوارا نہیں کرتا۔ وہ کیوں کسی کے سامنے جھکے؟ وہ کسی کی بالادستی کیوں قبول کرے؟ اور جب تک یہ نہیں کریں گے جماعت کیسے بن جائے گی؟ جدوجہد کیسے ہو گی؟ پھر تو وہ حشر ہو گا جو مالاکنڈ میں آپ نے دیکھ

لیا' حالانکہ وہاں لوگ جانیں دینے کو تیار تھے' ان کے خلوص پر آپ شک نہیں کر سکتے' لیکن حال یہ ہے کہ صوفی محمد صاحب جو کہ امیر ہیں وہ ہاتھ جوڑتے پھر رہے ہیں کہ نکل آؤ مورچوں سے' لیکن لوگ نہیں نکل رہے۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے تو وہ جماعت مطلوب ہے کہ جسے حرکت کرنے کا حکم دیا جائے تو صورت وہ ہو جو "Charge of the Light Brigade" نامی نظم میں آپ میں سے اکثر نے پڑھی ہو گی۔ حکم دیا گیا لائٹ بریگیڈ کو کہ "Charge for the guns!" ہر شخص کو معلوم تھا کہ "someone had blundered" بڑا غلط معاملہ ہوا ہے' بڑا غلط فیصلہ ہوا ہے۔ دائیں طرف توپیں ہیں' بائیں طرف توپیں ہیں' سامنے توپیں ہیں :

Cannon to right of them,
Cannon to left of them,
Cannon in front of them,
Volleyed and thundered;

اب اس صورتحال میں حملہ کرنا گویا کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔ لیکن

Theirs not to make reply,
Theirs not to reason why,
Theirs but to do and die:
Into the valley of death
Rode the six hundred.

فوجی کا کام یہ پوچھنا نہیں ہے کہ آپ نے مجھے یہ حکم کیوں دیا ہے' بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ اسے جو حکم دیا گیا ہے اس پر بلا چون وچرا عمل کرے (Listen and obey) لہٰذا چھ سو کے چھ سو موت کی وادیوں میں اتر گئے۔ یہ فوج کا ڈسپلن ہے۔ یہی سمع وطاعت ہے جو یہاں مطلوب ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اس لفظ کو کئی بار استعمال کیا ہے۔ مثلاً "فَاسْمَعُوا وَاَطِیعُوا" اور "اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" اور "وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا"۔

سابقہ گفتگو کا خلاصہ

آگے بڑھنے سے قبل اب تک کی گفتگو کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ اس کوچہ میں پہلا

قدم ہی سوچ سمجھ کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ پہلا فرض: ہمہ وقت' ہمہ تن اللہ کی بندگی۔ دوسرا فرض: اللہ کے دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے اپنے تن من دھن کا بیشتر اور بہتر لگا دینا اور اپنے لئے' اپنی معاش کے لئے' اپنے گھر والوں کے لئے کمتر اور کہتر رکھنا۔ اللہ کے دین اور اپنی ذات کے مابین نسبت و تناسب کا معاملہ یہی ہونا چاہئے۔ اگر آپ نے بہتر اپنے لئے رکھا اور کہتر دین کے لئے رکھا تو ناکام ہو گئے۔ اس ضمن میں ایک بڑا پیارا اور سبق آموز واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی مرشد کے پاس کوئی صاحب بہت عرصہ زیر تربیت رہے۔ اپنا سلوک مکمل کر کے جب رخصت ہونے لگے تو کہا: حضرت کوئی آخری نصیحت فرمائیں۔ انہوں نے کہا: بھئی میں نے تمہیں بہت کچھ بتایا ہے' جاؤ اس پر عمل کرو۔ لیکن وہ صاحب کہنے لگے: نہیں جی! کوئی آخری نصیحت فرما دیجئے۔ ان کے اصرار پر مرشد نے کہا: دیکھنا اللہ کو اپنے سے کہیں کم تر نہ سمجھنا۔ کہنے لگے: جی بالکل نہیں' اللہ کو کیسے کم تر سمجھوں گا۔ انہوں نے راستے کے لئے دو روٹیاں ساتھ دے دیں' جن میں ایک پراٹھا تھا اور ایک سوکھی روٹی۔ راستے میں بھوک لگی' کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو کوئی سائل آ گیا کہ اللہ کے نام پر مجھے بھی کچھ دے دیں' تو حاتم طائی کی قبر پر لات ماری اور پوری سوکھی روٹی اسے دے دی اور پراٹھا اپنے لئے رکھ لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب واپس پہنچے تو مرشد صاحب بات نہیں کر رہے' سلام کا جواب نہیں دے رہے۔ عرض کیا: حضرت کیا ہوا؟ فرمایا کہ اتنا اصرار کر کے تم نے مجھ سے آخری نصیحت لی تھی اور گھر پہنچنے تک بھی اس پر عمل نہ کر سکے۔ اللہ کے نام پر دی تو سوکھی روٹی۔ کیا اللہ کو کم تر جانا یا بہتر جانا؟ اور اپنے لئے جو پراٹھا رکھا تو کیا اپنے آپ کو کم تر سمجھا یا بہتر؟ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ شکوہ کرے گا اپنے بندے سے کہ اے بندے' میں بیمار تھا' تو نے میری عیادت نہیں کی! اے بندے' میں بھوکا تھا' میں نے تجھ سے کھانے کے لئے مانگا' تو نے مجھے کھانے کو نہیں دیا! اس کا مطلب کیا ہے؟ یہ کہ جس نے تجھ سے کھانے کے لئے مانگا وہ میرا بندہ تھا' میرے نام پر مانگ رہا تھا۔ اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہ۔ تو اگر آپ دین کے لئے کمتر اور کہتر لگائیں گے تو آپ فیل ہو گئے۔ اور اگر اپنی زندگی کی ناگزیر ضروریات کے لئے قدرِ قلیل حصہ رکھ کر انسان اپنے مال اور اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کا بیشتر اور بہترین حصہ دین کے لئے لگا دے تو تب اسے

کامیابی کی امید رکھنی چاہئے۔

فرائض دینی کی عمارت کی تیسری منزل ہے اقامتِ دین کی جدوجہد۔ یعنی دین کو غالب کرنے کی کشمکش۔ اور اس کے لئے لازم ہے "جماعت"۔ اور جماعت بھی آرمی ڈسپلن والی 'اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا (Listen and obey) والی جس کے لئے مسنون' ماثور اور منصوص اساس بیعت کی ہے۔ قرآن میں ذکر ہے تو بیعت کا ہے' حدیث میں ذکر ہے تو بیعت کا ہے' سیرت میں مختلف مراحل پر بیعت ہے۔ پھر اگر خلافت راشدہ قائم ہوئی تو بیعت کی بنیاد پر۔ ہمارے ہاں لوگوں کی اصلاح نفس کا سلسلہ قائم ہے تو وہ بھی بیعت پر ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ حکومت کی اصلاح کے لئے میدان میں آئے تو بیعت کی بنیاد پر۔ یہ اور بات ہے کہ بیعت کرنے والے اپنی بیعت سے پھر گئے۔ اس کا وبال ان پر ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الفتح میں فرمایا گیا: ﴿فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ یعنی "جو بیعت توڑتا ہے وہ اپنے اوپر اس کا وبال لیتا ہے"۔ بیعت کی خلاف ورزی کرنے والا اس کا وبال اپنے اوپر لیتا ہے۔ حضرت حسینؓ کا کیا بگڑا؟ آپؓ نے تو شہادت کا جام نوش کر لیا۔ اصل میں بگڑا تو ان کوفیوں کا جنہوں نے حضرت حسینؓ کے ہاتھ پر ہزاروں کی تعداد میں بیعت کی تھی اور اس کے بعد جب ابن زیاد کا ڈنڈا چلا تو سب کے سب بیعت توڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ پچھلی صدی میں اس برعظیم پاک و ہند میں تحریک شہیدینؒ اٹھی تو وہ بھی بیعت کی بنیاد پر تھی۔ یہ بیعتِ جہاد تھی۔ چنانچہ ہمارے ہاں تو ایک ہی درست طریقہ ہے۔ باقی سارے طریقے مغرب سے درآمد شدہ ہیں' جنہیں میں حرام نہیں کہہ رہا' لیکن بہرحال یہ منصوص' ماثور اور مسنون نہیں ہیں۔ امتِ مسلمہ کی پوری تاریخ میں ایک ہی طریقۂ تنظیم ثابت ہے اور وہ بیعت کا نظام ہے۔

آپ غور کیجئے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت میں دو ہی حالتیں ممکن ہیں نا! یا تو اسلامی حکومت یعنی نظام خلافت قائم ہے یا نہیں ہے۔ اگر اول الذکر صورت ہے تو امیرالمومنین کے ہاتھ پر بیعت ہوگی جیسے کہ حضرات ابوبکر' عمر' عثمان' علی اور حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے ہاتھ پر ہوئی اور اگر نظام خلافت قائم نہیں ہے تو اسے قائم کرنے کے لئے جماعت درکار ہوگی اور اس جماعت کے امیر کے ہاتھ پر بیعت ہوگی۔ تیسری کوئی حالت

ممکن ہی نہیں ہے۔ میں حدیث بیان کر چکا ہوں کہ "جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں ہے فَقَدْ مَاتَ مِیتَةَ الجَاهِلِیَة "وہ شخص جاہلیت کی موت مرا" اور آپ کو معلوم ہے کہ جاہلیت کسے کہتے ہیں۔ اسلام سے قبل کا زمانہ دورِ جاہلیت کہلاتا تھا۔

اقامتِ دین کی جدّوجہد کا طریق کار

اب میں آپ کے سامنے یہ بات رکھ رہا ہوں کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کا طریق کار کیا ہے؟ یہ کام ہو گا کیسے؟ یہاں بھی وہی اسلوب اختیار کروں گا یعنی پہلے نفی اور پھر اثبات۔ پہلے میں دو باتوں کی نفی کر رہا ہوں --- محض خواہش سے یہ کام نہیں ہو سکتا اور محض دعاؤں سے بھی یہ کام نہیں ہو سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ کام محض خواہش سے ہو گا نہ محض دعاؤں سے' بلکہ محنت اور مشقت سے ہو گا' ایثار اور قربانی سے ہو گا' جانفشانی اور سرفروشی سے ہو گا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ محنت و مشقت کس اسلوب پر ہو؟

انتخابی طریق کار؟

اس جدوجہد کی ایک امکانی صورت یہ نظر آتی ہے کہ انتخابات میں حصہ لیا جائے' اگر مسلمانوں کی اکثریت ووٹ دے دے تو ہمارے ہاتھ میں اختیار آجائے گا' ہم بیٹھ کر قانون بدل دیں گے۔ یہ نظریہ اگرچہ بالکل دو اور دو چار کی طرح صحیح دکھائی دے رہا ہے لیکن حقیقتِ واقعی کے اعتبار سے غور کیجئے تو نظر آئے گا کہ آپ کے ملک میں ایک جاگیرداری نظام قائم ہے اور اسّی فیصد ووٹر جاگیرداروں کے قبضے میں ہیں' جہاں وہ دَم نہیں مار سکتے۔ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ایک جاگیردار کے بجائے دوسرا جاگیردار آجائے' چچا کے بجائے بھتیجا جیت جائے۔ باقی جاگیرداروں کی مملکت کے اندر کوئی اور جیت جائے ع این خیال است و محال است و جنوں! یہی وجہ ہے کہ خواہ کوئی دور ہو' آپ کے ہاں اسمبلیوں کے اندر ہمیشہ وہی جاگیردار ہوتے ہیں۔ ضیاء الحق صاحب کا دور تھا تو وہی ان کی شوریٰ میں

بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم جیسے تو ہوں گے کوئی آٹے میں نمک کے برابر۔ اگر وہ بھٹو کی اسمبلی تھی تو وہی جاگیردار وہاں تھے۔ اب تو بے شرمی اور ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ چچا بھتیجے کا فرق بھی نہیں کرتے' ایک ہی شخص اپنے ماتھے کا لیبل بدلتا رہتا ہے' وہی مسلم لیگ میں ہوتا ہے اور وہی پیپلز پارٹی میں۔ وہی کبھی ری پبلکن پارٹی میں تھا' کبھی شوریٰ میں آگیا اور پھر وہ پیپلز پارٹی میں آگیا۔ لہٰذا انتخابات کے ذریعے سے نظام کو تبدیل کرنا جتنا اچھا اور سہل نظر آتا ہے یہ اسی قدر مشکل ہے۔ یہ ہونے والی بات ہے ہی نہیں۔ نظام کبھی الیکشن کے ذریعے نہیں بدلتا۔ اس میں تو ع "بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"۔ یہاں تو "One man one vote" کا اصول کارفرما ہے اور جب ووٹروں کی اکثریت جاگیرداروں کے قبضے میں ہے تو ظاہر ہے کہ اختیار انہی کے ہاتھ میں رہے گا۔ انہی کا یہ میوزیکل چیئرز کا کھیل ہے جسے وہ سیاست کے نام سے کھیل رہے ہیں۔ یہ زیادہ فساد مچا دیتے ہیں تو کچھ عرصے کے لئے جرنیل آجاتے ہیں اور جب نظر آتا ہے کہ جرنیلوں سے بھی پبلک اکتا گئی ہے تو انہی جاگیرداروں میں سے کچھ مہرے سامنے لے آئے جاتے ہیں اور فوج پیچھے چلی جاتی ہے۔ تو یہ ایک سرکل ہے جو تھوڑے تھوڑے عرصے سے ہمارے ہاں چلتا ہے۔ چنانچہ الیکشن کے ذریعے سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

اس ضمن میں ایک اصولی بات سمجھ لیجئے کہ الیکشن تو کسی نظام کو چلانے کے لئے ہوتے ہیں' نہ کہ نظام کو بدلنے کے لئے۔ امریکہ کے انتخابات میں دو پارٹیاں' ری پبلکن پارٹی اور ڈیموکریٹس' حصہ لیتی ہیں اور ان دونوں کے مابین امریکن نظام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے' وہ ان کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ صرف اس نظام کو چلانے کے لئے پالیسیوں میں تھوڑا سا فرق ہو گا۔ مثلاً ٹیکسیشن کی پالیسی میں کچھ اختلاف ہو گا کہ ہم یہ چھوٹ دے دیں گے یا ہم یہ نرمی کر دیں گے۔ اسی طریقے سے ہیلتھ پالیسی وغیرہ میں کچھ مراعات کا معاملہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح برطانیہ میں لیبر پارٹی اور کنزرویٹو پارٹی میں نظام کی حد تک کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امیگریشن کے بارے میں تھوڑا اختلاف ہو گا کہ ڈھیلا کر دیں گے یا سخت کر دیں گے یا بعض اور جزوی چیزیں ہوں گی۔ لوگ ووٹ ڈالتے ہیں اور

ان میں سے کسی ایک پارٹی کو منتخب کر لیتے ہیں جو نظام چلاتی ہے جبکہ دوسری پارٹی اپوزیشن میں بیٹھتی ہے۔ اس کے برعکس نظام کو بدلنے کے لئے انقلاب لانا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں تو بہتر سے بہتر الیکشن ہوئے ہیں لیکن اس کے بدتر سے بدتر نتائج نکلے ہیں' صرف دینی اعتبار ہی سے نہیں دنیاوی اعتبار سے بھی۔ ہمارے ہاں ایک بڑا صاف اور شفاف الیکشن ۱۹۷۰ء میں ہوا تھا' لیکن اس کا نتیجہ ۱۹۷۱ء میں یہ نکلا کہ ملک دولخت ہو گیا۔ پچھلا الیکشن جو ہوا' اسے پوری دنیا نے مانا ہے کہ جس حد تک ہمارے معاشرے میں ہو سکتا ہے یہ ایک صاف اور شفاف الیکشن تھا' لیکن اس کا حاصل آپ کے سامنے ہے۔ لہٰذا اس راستے سے اسلام نہیں آئے گا۔

دعوت و تبلیغ؟

اسی طرح ایک نظریہ یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کئے چلے جاؤ' کئے چلے جاؤ' جب اکثریت بدل جائے گی تو نظام بدل جائے گا۔ نظری طور پر یہ بھی بڑی سیدھی اور منطقی بات نظر آتی ہے اور ہمارے ہاں ایک بڑی عظیم تحریک اسی نظریئے کو بنیاد بنا کر چل رہی ہے۔ اول الذکر راستے پر تو خیر بہت سی تحریکیں اور جماعتیں ہیں' لیکن اس ثانی الذکر راستے کو تبلیغی جماعت اپنائے ہوئے ہے۔ اس کے ضمن میں مَیں صرف ایک جملے پر اکتفا کروں گا کہ اگر محض دعوت و تبلیغ' تعلیم و تلقین اور فضائل کی ترغیب و تشویق سے دین قائم ہو سکتا تو کیا محمد عربی ﷺ تلوار ہاتھ میں لیتے؟ کیا آپ ﷺ سے بڑا کوئی مبلّغ' کوئی مربّی' کوئی معلّم اور کوئی مزکّی ممکن ہے؟ اگر آپ ﷺ کو بھی تلوار ہاتھ میں لینی پڑی اور اپنے سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا تو پھر کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ صرف دعوت و تبلیغ سے ہو جائے گا۔ اس راستے میں محمد عربی ﷺ نے اپنے خون کا نذرانہ بھی پیش کیا ہے۔ آپ ﷺ کا اپنا خون مکی دور میں طائف کی سرزمین پر گرا ہے اور مدنی دور میں دامنِ اُحد میں جذب ہوا ہے۔ آپؐ کی رخسار کی ہڈی پر جب تلوار کا وار پڑا ہے تو خون کا فوارا چھوٹا ہے اور اتنا خون بہا ہے کہ آپؐ نقاہت کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔ تو اس کے بغیر یہ کام نہیں ہوتا۔ اگر صرف دعوت و تبلیغ اور تلقین و تشویق سے یہ کام ہو سکتا تو میں

دعوے سے کہتا ہوں کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی جاں نثار صحابیؓ کا خون تو کجا' کسی کافر کے خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے دیتے۔

دعوت و تبلیغ کی اہمیت اپنی جگہ ہے' دعوت و تبلیغ سے آپ لوگوں کو جمع کیجئے' سلیم الفطرت لوگوں کو کھینچئے۔ انقلاب کے لئے پہلا ہتھیار واقعتاً دعوت و تبلیغ ہی ہے۔ لیکن جو لوگ اس کے ذریعے سے آجائیں انہیں پھر منظم کیجئے۔ یہ دھاگے جو ہیں ان کو بٹ کر کوڑا بنایئے اور پھر وہ کوڑا باطل کے سر پر دے مارئیے۔ بفحوائے قرآنی: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ﴾ یہ سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۸ کا ٹکڑا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "ہم حق کا کوڑا مارتے ہیں باطل کے اوپر جو اس کا بھیجا نکال دیتا ہے"۔ چنانچہ پہلے کوڑا بناؤ جیسے محمد عربی ﷺ نے کوڑا بنایا۔ جس طرح ایک پرندہ گھونسلا بناتا ہے تو ایک ایک تنکا لے کر آتا ہے اس طرح حضورؐ نے افراد کو جمع کیا۔ دس برس میں تو حضورؐ کے پاس بمشکل سو سوا سو آدمی جمع ہوئے تھے۔ محمد عربی ﷺ جیسے داعی و مبلغ اور مربی و مزکی کی دس برس کی محنت کے نتیجے میں سو سوا سو آدمی جمع ہوئے۔ اس کے بعد پھر راستے کھلے ہیں۔ جو آپؐ کے دامن سے وابستہ ہوئے انہیں پھر جوڑا ہے' بیعت لی ہے' مربوط بنایا ہے' منظم کیا ہے' ان کی تربیت کی ہے اور مسلح تصادم کے مرحلے سے پہلے انہیں صبرِ محض کے مرحلے سے گزارا ہے۔ مکے میں بارہ برس تک یہی حکم تھا کہ تشدد برداشت کرو۔ اگر مشرکین تمہیں ماریں تو مار سہو' جھیلو' لیکن جوابی کارروائی نہ کرو! اگر تمہارے ٹکڑے اڑا دیں تب بھی ہاتھ نہیں اٹھانا' تمہیں زندہ جلا دیں تب بھی ہاتھ نہیں اٹھانا' جب تک کہ اس کی اجازت نہ آجائے۔ اُس وقت تک کوئی بدلہ نہیں' کوئی retaliation نہیں' حتیٰ کہ اپنے دفاع میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ اسی کو اقبال نے کہا ہے کہ ع

"بانشّہ درویشی در سازو دمادم زن!"

دعوت دیئے جاؤ' تبلیغ کئے جاؤ' اپنی تربیت اور تزکیہ کرتے جاؤ' اپنے نظم کی پابندی کے خوگر بنتے چلے جاؤ' اپنی قوت بڑھاتے چلے جاؤ' لوگوں کی باتیں سنو اور برداشت کرو' گالیاں سنو اور دعائیں دو' تم پر پتھراؤ ہو تو تم پھول پیش کرو' تا آنکہ اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ اب کھلم کھلا اپنے آپ کو مقابلے کے قابل محسوس کرو۔ ع

"چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!"

پھر اپنے آپ کو سلطنتِ جم پر دے مارو۔ اسلام کا نظام ہمیشہ کے لئے خانقاہی نظام نہیں ہے کہ نسلاً بعد نسلٍ تربیت اور تزکیہ ہی کرتے رہو۔ جو کام ایک شیخ نے شروع کیا اسی کو ان کے بعد ان کے خلیفہ' پھر ان کے خلیفہ اور پھر ان کے خلیفہ کرتے چلے جاتے ہیں' خلیفہ در خلیفہ ایک ہی کام چل رہا ہے۔ یہ تربیت و تزکیہ آخر کس کام کا؟ اس تربیت و تزکیہ اور تعلیم و تلقین سے مقصود تو یہ ہونا چاہئے کہ طاقت فراہم کر کے پھر باطل سے ٹکرانا ہے۔

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

(جاری ہے)

ضرورت رشتہ

متمول' شریف گھرانے کی دو لڑکیوں کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ شریف خاندان کے رشتے مطلوب ہیں۔ ایک بچی نے حال ہی میں گریجوایشن کیا ہے' عمر تقریباً ۲۰ سال اور دوسری نے آرکیٹکچر' عمر ۲۲' ۲۳ سال اندازاً۔

معرفت سردار اعوان 36-K' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700

ایک بچی کے لئے' جس نے اسی اپریل میں سندھ کے واحد طالبات میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کا آخری سالانہ امتحان مکمل کیا ہے' نو عمر ڈاکٹر کا رشتہ درکار ہے۔ صرف تعلیم یافتہ اسلامی ذہن کے خاندان کے والدین یا خود ڈاکٹر صاحبان' جو علاقہ' زبان اور انتہائی خوبصورتی کی قیود سے آزاد ہوں' رجوع فرمائیں۔ والد مرکزی حکومت کے اعلیٰ عہدہ سے وابستہ ہیں اور کئی افراد خانہ بھی ڈاکٹری کے پیشہ سے منسلک ہیں۔

خط و کتابت : ن۔ ک' معرفت جناب سردار اعوان صاحب'
معتمد ذاتی' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور 36-K' ماڈل ٹاؤن' لاہور

علّامہ اقبال اور پردۂ نسواں

از سید عبدالعزیز بخاری

آج سے تقریباً پچاسی برس قبل ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال مرحوم نے ایک قطعہ منظوم کیا تھا:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِّنظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین؟
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ!

اگر آج علامہ مرحوم ہوتے تو وہ دیکھتے کہ وہ پردہ مکمل طور پر پر اٹھ چکا ہے اور قوم اپنی غیرت و حمیت کو مغربی تہذیب کے بھنور میں غرق کر کے ڈرامے کا وہ اخلاق سوز سین دیکھ رہی ہے جس کی آپ نے پیشین گوئی کی تھی۔ اکبر الٰہ آبادی مرحوم کو تو اپنے وقت میں صرف چند ایک بیباں بے پردہ نظر آئی تھیں تو وہ چیخ اٹھے تھے اور غیرتِ قومی سے زمین میں گڑ گئے تھے۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیباں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا!!

مگر آج صرف چند نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں غول کے غول گلیوں بازاروں، رہگذاروں اور مرغزاروں میں بے پردہ خواتین خوب بن ٹھن کر اور زیب و زینت سے

آراستہ' نیم عریاں لباس میں گھومتی پھرتی دعوتِ نظارہ دیتی نظر آتی ہیں' مگر کسی کی غیرت اور حمیت اب جوش نہیں مارتی کیونکہ غیرتِ ملی نامی چیز اب رفتہ رفتہ مرچکی ہے۔ سب سے زیادہ افسوس تو اس بات پر ہے کہ اس قدر عظیم نقصان کا احساس بھی باقی نہیں رہا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!!

اور حد یہ ہے کہ جو کل تک ناخوب اور گناہ تھا آج وہی خوب اور ثواب بن چکا ہے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خُوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

کہنے کو تو ہم ۱۹۴۷ء سے آزاد ہو گئے ہیں' مگر حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک خوئے غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ذہنی' اخلاقی' معاشی' معاشرتی اور سیاسی غلامی کے طوق ابھی تک ہماری گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہماری فکر' ہماری سوچ' ہمارا نظامِ تعلیم' ہمارا تمدن' ہمارا طرزِ زندگی' ہمارا لباس' ہماری زبان' ہمارے اطوار ---- سب کچھ اہلِ مغرب سے مستعار لئے ہوئے ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ اس کو رانہ تقلید پر ہم فخر بھی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اپنی تہذیب اور اسلامی قدروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ گویا اپنی خودی کا جنازہ ہم نے خود نکال دیا ہے۔ بقول اقبال۔

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی' نہ رہی تو روسیاہی!!

پردۂ نسواں کو جو درحقیقت ہمارا پردۂ ناموس تھا' ایک گھٹیا اور فرسودہ رسم سمجھ کر اتار پھینکا ہے۔ یاد رہے کہ پردہ کوئی رسم نہیں جسے اتار پھینکنے میں کوئی حرج نہ ہو' بلکہ یہ قرآنی حکم ہے اور مسلمان خواتین پر فرض ہے۔ پردہ اسلامی معاشرہ کی پہچان اور بنیاد ہے جس سے حیا اور تقویٰ فروغ پاتے ہیں' وہ حیا جس کو حضور اکرم ﷺ نے نصف ایمان قرار دیا ہے اور وہ تقویٰ جو تمام اعمالِ حسنہ کی جڑ اور روح ہے۔ اس لئے جس معاشرہ میں پردہ نہیں ہے وہ کچھ اور تو ہو سکتا ہے لیکن ہرگز ہرگز اسلامی معاشرہ نہیں ہو سکتا۔ علامہ مرحوم کے نزدیک ایک مسلمان خاتون کی چادر گویا پوری امتِ مسلمہ کا پردۂ ناموس ہے۔ چنانچہ وہ

اسے مخاطب کر کے فرماتے ہیں :

اے ردایت پردۂ ناموسِ ما
تابِ تو سرمایۂ فانوسِ ما

افسوس صد افسوس کہ اب یہ پردۂ ناموسِ ملت چاک کیا جا رہا ہے۔ اور ہمارے سرکاری الیکٹرانک میڈیا' ٹی وی' وی سی آر اور ڈش انٹینا وغیرہ دن رات اس بے حیائی کو فروغ دے رہے ہیں۔ ہمارے معصوم بچوں کے ذہنوں میں زہر گھولا جا رہا ہے اور ہم ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بڑھتی ہوئی بے پردگی اور بے حیائی کے خلاف مسلسل جہاد کیا جائے۔ ہمارے اہلِ حل و عقد' علماء' فضلاء' صلحاء اور دینی جماعتیں سب مل کر ایک لائحہ عمل تیار کریں کہ کس طرح اس بڑھتی ہوئی برائی کو روک کر اس کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔ نیز حکومت پر زور دیں کہ وہ اس برائی کو سرکاری میڈیا' ٹی وی وغیرہ سے یکسر ختم کر دے۔ ممبرانِ قومی اسمبلی پر زور دیا جائے کہ وہ پارلیمنٹ میں شرعی حجاب کا قانون پاس کریں جس طرح ہمارے ہمسایہ ملک ایران اور سعودی عرب میں پایا جاتا ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے انتہائی دلجوئی اور پیار بھرے انداز میں مغربی تہذیب کی چیرہ دستیوں سے محفوظ کرنے کے لئے دخترانِ ملت کو یہ تلقین کی تھی۔

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا
مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمالِ غازہ پرورد
بیاموز از نگہ غارت گری ہا!!

ملاحظہ فرمائیں "دخترک" اسم تصغیر ہے جس میں ایک پیار بھرا انداز پایا جاتا ہے یعنی اے پیاری بٹیا! یہ مغربی طرز کے ناز و ادا' یہ عشوہ' یہ غازہ' یہ بناوٹی زیب و زینت اور یہ معشوقانہ ادائیں چھوڑ دے۔ تو کیسی گھٹیا قسم کی نقالی میں پڑ گئی ہے۔ ایک مسلمان زادی کو یہ کافرانہ ادائیں زیب نہیں دیتیں۔ تُو تو ان چیزوں سے بہت بلند و بالا ہے۔ یاد رکھ حسن کی جو آب و تاب نسوانی حیا کے آبدار موتی میں ہے وہ جھوٹے سامانِ آرائش میں کہاں؟ اس

لئے تو اپنی نگاہ میں حیا کی تیغ آبدار کی وہ کاٹ پیدا کر جو اس نظام باطل کو غارت کر کے رکھ دے!!

ایک بلیغ نکتہ : پھر پردۂ نسواں کے متعلق ایک نہایت ہی بلیغ نکتہ بیان کیا ہے۔ اگر قوانینِ فطرت پر غور کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ قدرت نے ہر خوبصورت چیز کو پردوں میں چھپا کر رکھا ہے۔ آبدار موتی سیپیوں میں بند سمندر کی تہ میں پائے جاتے ہیں۔ سونا چاندی، لعل و جواہر پہاڑوں اور چٹانوں کے سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ یہ چاند، یہ ستارے، یہ خوبصورت کہکشاں اس قدر دور فاصلے پر رکھے گئے ہیں کہ ان کی یہ دوری ہی ان کے لئے پردہ ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ خالقِ کائنات جو خالقِ حسن بھی ہے اور سب سے زیادہ حسین ہے اور اپنی ہزاروں، لاکھوں تجلیات کے باوجود ستر ہزار پردوں میں مستور ہے۔

جہانتابی ز نورِ حق بیاموز
کہ اُو با صد تجلی در حجاب است!!

یعنی اے بیٹی۔ تو جہانتابی (جہاں روشن کرنا) خود حق تعالیٰ کے نور سے سیکھ جو ہزاروں پردوں میں رہ کر اپنی تجلیات برسا رہا ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک عورت شمعِ محفل نہیں بلکہ چراغِ خانہ ہے۔ اپنی خاص بناوٹ کی بنا پر اس کا دائرۂ کار مرد سے مختلف ہے۔ عورت کی سب سے بڑی ذمہ داری اولاد کی پیدائش اور پرورش ہے۔ اس میں محبت، شفقت اور رافت جیسی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ اس میں تخلیق، ربوبیت اور رحمت کی خدائی صفات کا پرتو پایا جاتا ہے، جو بچوں کی پرورش کے لئے ضروری ہے۔ بچوں کی سب سے پہلی اور بہترین درسگاہ ماں کی گود ہے۔ جو آداب و اخلاق چار پانچ سال کی عمر تک بچہ ماں سے حاصل کرتا ہے وہ پختہ ہو کر ساری عمر اس کے لئے نشانِ راہ بن جاتے ہیں۔ اسلام نے ماں کے قدموں میں جنت کی بشارت دی ہے کیونکہ جنت کے حصول کے لئے جن اخلاق حسنہ اور ایمان و عمل صالحہ کی ضرورت ہے وہ ایک مسلمان ماں ابتداء ہی سے بچے کی فطرت میں بیج کی طرح بو دیتی ہے۔ دودھ پلاتے ہوئے قرآن کی تلاوت اور سلاتے وقت کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی لوری دیتی ہے۔

قوموں کی تقدیر ماؤں کے ہاتھ میں ہے۔ نپولین نے کہا تھا "تم مجھے اچھی مائیں

میں تمہیں اچھی قوم دوں گا"۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ "جو ہاتھ جھولا جھولتا ہے وہی دنیا پر حکمرانی کرتا ہے"۔ بڑے بڑے مفکر، ریفارمر، سائنس دان، فلاسفر، فاتح، جرنیل حتیٰ کہ انبیاء کرامؑ تک ماں کی گود کے مرہونِ منت ہیں۔ کیا اس کی یہ قومی خدمات کچھ کم ہیں کہ اسے اس عظیم ذمہ داری سے ہٹا کر شمع محفل بنا دیا جائے اور اسے دفتروں میں کلرک، ٹائپسٹ یا آفیسر بنا کر فخر کیا جائے؟ کیا اس کے لئے یہ ذلت ہے یا توقیر؟

یہاں ہمارے لئے ایک نہایت اہم سوال یہ ہے کہ بحیثیتِ مسلمان قوم ہمیں کس قسم کی مائیں درکار ہیں؟ کیا مغربی تہذیب کی پروردہ مغرب زدہ بے پردہ خواتین کی گود سے حضرت حسنؓ، حسینؓ، خالدؓ، طارقؒ، محمد بن قاسمؒ، صلاح الدین ایوبیؒ اور ٹیپو سلطانؒ جیسے مجاہدین اسلام پیدا ہو سکتے ہیں؟ یا امام جعفر صادقؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے مجتہدین کرام و فقیہان عظام پرورش پا سکتے ہیں؟ یا امام غزالیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور امام ولی اللہ دہلویؒ جیسے مجددین ملت ایسی گود میں پرورش پا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، قطعاً نہیں۔ جیسے کیکر اور ببول کے درخت پر گلاب کا پھول اگنا ناممکن ہے، یہ بات اس سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔ ایسی عظیم بلند کردار ہستیوں کے لائق تو کسی عظیم بلند کردار پاکیزہ، مومنہ، عفیفہ اور متقی ماں کی گود ہی ہو سکتی ہے۔

اسی لئے علامہ اقبال کی بصیرت افروز نگاہ نے ایک مسلمان خاتون کے لئے حضرت فاطمہ الزہراء بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کو ایک مکمل نمونہ اور اسوۂ کامل کے طور پر پیش کیا ہے تاکہ ان کے نقش قدم پر چل کر بحیثیت مسلمان انفرادی و اجتماعی اعلیٰ مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے۔ چنانچہ علامہ فرماتے ہیں۔

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری!

ترجمہ: "حضرت فاطمہؓ کا کردار اپناؤ اور خود کو دورِ حاضر سے چھپا کر اور بچا کر رکھو تاکہ تمہاری گود میں حضرت حسینؓ جیسے پھول کھلیں"۔

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

ترجمہ: "تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل بتولؓ ہیں۔ ماؤں کے لئے کامل نمونہ زندگی بتولؓ ہیں۔"

یاد رہے کہ علامہ مرحوم نے کسی عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ حضرت خاتون جنتؓ کی حسب ذیل قدسی صفات اور پاکیزہ سیرت کی بنا پر، جس کا ذکر انہوں نے اپنے کلام میں کیا ہے، انہیں ایک مسلمان عورت کا آئیڈیل قرار دیا ہے۔

۱ ۔ خدا اور رسول ﷺ سے شدید محبت اور کامل اتباع
۲ ۔ پیکرِ تسلیم و رضا
۳ ۔ صبر و توکل علی اللہ
۴ ۔ کامل شرم و حیا (یہاں تک کہ آپؓ نے اپنا جنازہ بھی رات کی تاریکی میں اٹھانے کی وصیت کی تھی تاکہ جنازہ پر بھی غیر محرم کی نظر نہ پڑے)
۵ ۔ غرباء اور مساکین کے لئے حد درجہ ہمدردی اور دلسوزی
۶ ۔ سخاوت و ایثار (یہاں تک کہ گھر میں کچھ نہ ہونے پر ایک محتاج کے سوال پر اپنی چادر ایک یہودی کو فروخت کر دی)
۷ ۔ تلاوتِ قرآن سے حد درجہ شغف۔ چنانچہ گھر کے کام کاج اور چکی پیستے ہوئے تلاوت جاری رہتی۔ (آسیا گرداں و لب قرآں سرا)
۸ ۔ اپنے شوہر کی اطاعت اور اس کی رضا میں اپنی رضا گم کر دینا۔
۹ ۔ دن کو محنتِ شاقہ اور تربیتِ اولاد اور رات کو دن کی تھکن کے باوجود اپنے رب کے حضور کھڑی ہو کر عبادتِ الٰہی میں خضوع و خشوع کے ساتھ طویل قیام و رکوع و سجود میں گڑگڑا کر دعائیں مانگنا۔ حتیٰ کہ جب رات کٹ جاتی اور صبح کی اذان سنائی دیتی تو اپنے مولیٰ سے حسرت بھرے انداز میں یہ پیار بھرا گلہ کرتیں کہ "یا اللہ تو نے یہ راتیں اتنی چھوٹی بنائی ہیں کہ تیری ایک بندی اطمینان سے تیری بارگاہ کے لائق ایک سجدہ بھی پورا ادا نہ کر سکی"۔

علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ جناب سیدہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے آنسو تکیہ سے بے نیاز تھے کیونکہ وہ ہمیشہ سجدوں میں جائے نماز پر گرا کرتے تھے اور جبریل امینؑ یہ متبرک آنسو اٹھا کر

لے جاتے اور عرش بریں پر شبنم کے موتیوں کی طرح بکھیر دیتے کہ یا اللہ یہ ہیں تیری ایک بندی کے آنسو جو اس نے تیری شدید محبت اور خوف میں بہائے ہیں۔

آخر میں اس عظیم خاتون کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے علامہ موصوف نہایت پرسوز انداز میں فرماتے ہیں :

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست
پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰ ﷺ است
ورنہ گردِ تربتش گردید مے
سجدہ ہا بر خاکِ او پاشید مے!!

ترجمہ "میرے پاؤں میں حق تعالیٰ کے آئین کی زنجیر پڑی ہے اور مجھے جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا پاس ہے (جنہوں نے غیر اللہ کو سجدہ حرام قرار دیا ہے) ورنہ میں اس پاک خاتون کی تربت کے ارد گرد گھومتا اور طواف کرتا اور اس کی پاک خاک پر سجدہ ریز ہو جاتا"۔

یہ ہے وہ آئیڈیل' وہ کامل نمونہ' وہ قابل تقلید بلند کردار جو ہر مسلمان خاتون کے پیش نظر رہنا چاہئے۔

اسی لئے وہ اپنے آخری مجموعہ کلام ارمغانِ حجاز میں دخترانِ ملت کو خطاب کرتے ہوئے ایک بیش قیمت نصیحت فرماتے ہیں۔

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بمیرد' تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری!!

ترجمہ "اے مسلمان خاتون! اگر تو اس درویش سے ایک نصیحت قبول کر لے تو پھر اگر ہزاروں امتیں مر جائیں لیکن امتِ مسلمہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گی۔ وہ نصیحت یہ ہے کہ تو حضرت فاطمہ بتول" کی طرح بن جا اور اس بے حیا زمانے سے چھپ جا تاکہ تیری آغوش میں شبیر یعنی حضرت امام حسین" جیسے سپوت پیدا ہوں"۔

علامہ مرحوم تو ایسی مومنہ 'عفیفہ' مسلمان خاتون کو بے پناہ اخلاقی و روحانی طاقت کا سرچشمہ سمجھتے تھے جو قوم کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

طینتِ پاکِ تو ما را رحمت است
قوتِ دین و اساسِ ملت است

ترجمہ "تیری پاک طینت ہمارے لئے رحمت ہے۔ دین اسلام کی قوت اور ملت کی بنیاد ہے"۔

اس لئے اس سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں۔

ز شامِ ما بروں آور سحر را
بقرآں باز خواں اہلِ نظر را
نمی دانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمر را!!

ترجمہ "اے دخترِ اسلام! اس وقت امتِ مسلمہ پستی کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہے۔ تو ہماری اس شام سے ہماری سحر پیدا کر دے۔ یہ انقلاب تو قرآن کریم کے اعجاز اور اس میں اہل نظر کے واقعات سے سبق سیکھ کر اور ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر بپا کر سکتی ہے۔ کیا تو نہیں جانتی کہ تیرے سوزِ قراءت نے حضرت عمرؓ کی تقدیر بدل دی تھی؟ (اشارہ ہے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا کہ کس طرح ان کی بہن کی قراءت نے ان کے دل پر رقت طاری کر کے ان کے دل کی دنیا بدل ڈالی تھی) اے پرعزم خاتون 'اٹھ! اسی طرح تو آج ہماری تقدیر بھی بدل ڈال!!"

افسوس کہ جس طرح ہم نے قرآنی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے اسی طرح علامہ اقبال کی تعلیمات کو بھی فراموش کر دیا ہے۔ اب کلامِ اقبال محض گویّوں اور ٹی وی آرٹسٹوں کے ذریعہ گانا گانے کے کام آتا ہے۔ ورنہ اس زندگی بخش پیغام پر اگر عمل کیا ہوتا تو آج ہمارا ملک پاکستان ایک آئیڈیل اسلامک سٹیٹ ہوتا جو دیگر ممالک کے لئے بھی مینارۂ نور ہوتا۔

اب بھی ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم ان زندگی بخش سنہرے اصولوں پر عمل کریں جن کی تعلیم ہمیں مفکرِ پاکستان علامہ اقبال علیہ الرحمہ اور بانیٔ پاکستان حضرت

قائداعظم علیہ الرحمہ نے دی ہے' تاکہ ان کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے جس کے لئے اس اسلامی ملک کے حصول میں لاکھوں جانیں قربان ہوئیں اور ہزاروں عصمتیں لوٹی گئیں۔

مقامِ شکر ہے کہ بعض مذہبی اور سیاسی جماعتیں اس ملک میں نظریۂ پاکستان کے مطابق انقلابِ اسلامی' نظامِ مصطفیٰ ﷺ یا نظامِ خلافت کے لئے کوشاں ہیں۔ یہ کوششیں قابل قدر ہیں اور جاری رہنی چاہئیں۔ کاش کہ یہ سب مل کر منہج انقلاب نبوی ﷺ کی روشنی میں اپنی کوشش تیز کرتے تاکہ منزل قریب آجاتی۔ مگر افسوس کہ مقصد ایک ہونے کے باوجود طریق کار میں اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف ہی کامیابی کے لئے سدِ راہ ہے۔

ادھر زمانہ تیزی سے گردش کر رہا ہے اور باطل کی قوتیں اس قدر زور پکڑ گئی ہیں کہ وہ اسلام اور مسلمان حکومتوں کو دنیا سے مٹا دینے کے درپے ہیں ۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا!!

موجودہ دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ اپنے نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعہ ساری دنیا سے دین اسلام کو مٹانے کی سازش کر رہا ہے۔ لہٰذا مایوسی کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں امید کی صرف ایک ہی کرن نظر آتی ہے کہ ہم اس دنیاوی سپر پاور کے مقابلہ کے لئے ساری کائنات کی سپریم پاور کی پناہ ڈھونڈیں اور بحیثیتِ قوم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور گڑگڑا کر یہ دعا مانگیں کہ وہ اپنی سنت کے مطابق اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کی روشنی میں اس عظیم مصلح کا ظہور جلد عمل میں لائے جو اس زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ اس سے قبل ظلم و جور سے بھری ہو گی۔ علامہ اقبال مرحوم کے الفاظ میں وہ زمانے کے گھوڑے کا شہسوار ہو گا جو اس کی باگ کھینچ کر زمانے کا رخ پھیر دے گا۔ اور مستقبل کے ممکنات کی آنکھ کا نور ہو گا جو تاریکیوں کو دور کر کے ہر طرف روشنی پھیلا دے گا۔

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا
اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا!!

کیا جہیز دینا سُنّت ہے؟

سید جعفر شاہ پھلواروی

عورتوں کے اسلامی حقوق

اسلام نے عورتوں کو جتنے حقوق دیئے ہیں' ان سے زیادہ حقوق آج تک کسی مذہب' کسی قوم اور کسی مملکت نے اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہیں دیئے ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ عملی زندگی میں مسلمان قوم نے ان حقوق کا بڑا حصہ سلب کرلیا ہے اور دوسری طرف جن قوموں کے مذاہب نے عورتوں کو برائے نام حقوق دیئے تھے ان قوموں نے عورتوں کو عملاً بہت کچھ حقوق دیئے ہیں یا دے رہے ہیں۔ تارکِ مذہب تو مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی' لیکن اسی ترکِ مذہب سے مسلمان نیچے آگرے اور غیر مسلم آسمانِ عروج پر پہنچ گئے۔

ایک لگن کے دو ہیں اثر اور دونوں حسبِ مراتب ہیں
لو جو لگائے شمع کھڑی ہے رقص میں ہے پروانہ بھی

ترکِ مذہب کے نتیجے میں رسومِ کفر کی پیروی ہو رہی ہے اور ادھر ترکِ کفر کے ساتھ ساتھ اسلامی اصول کو اپنایا جارہا ہے۔ ع

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

جہیز اور مسلمان

اس کی مثال میں ہندو دھرم اور اسلامی دین کی صرف ایک بات کو پیش کرنا کافی ہے۔ ہندو دھرم میں دختر کے لئے وراثت میں کوئی حصہ نہیں' اس لئے وہ اس کی تلافی یوں کرتے رہے کہ جب بیٹی کی شادی کرتے تو جتنا کچھ اسے دے سکتے جہیز کے نام سے دے دیتے۔

مسلمان بھی یہی کچھ ان کی دیکھا دیکھی کرنے لگے۔ بہت سے خاندانوں میں بیٹی کو ترکہ نہیں ملتا۔ سارے مسلمان ایسا نہیں کرتے' لیکن دوسرے حصے پر سب عمل کرتے ہیں یعنی بیاہتے ہوئے اسے جہیز دینا اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ گویا اس کے بغیر شادی ہی مکمل نہیں ہوتی۔

تبدیلِ رسم

ذرا یہ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ہندو اپنے دھرمی اصولوں کو ترک کر رہے ہیں اور اس ترک کے خلا کو اسلامی اصولوں سے پر کر رہے ہیں۔ یعنی اب دختر کو ترکہ دلوا رہے ہیں اور جہیز کے لئے قانوناً ایک حد مقرر کر دی گئی ہے۔ اور اس کے بالمقابل مسلمانوں نے یہ کیا کہ ہندو اصول پر جمے ہوئے ہیں۔ جہاں قانون مجبور کر دے وہاں ترکہ تو دے دیتے ہیں لیکن جہیز کو ایسی لازمی شرطِ ازدواج قرار دے رکھا ہے کہ اس کی فکر میں مرتے رہتے ہیں اور اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت کی طرح بیٹی کی ولادت کو اپنے لئے ایک بڑی مصیبت تصور کرتے ہیں۔

رسمِ جہیز کس طرح آگئی

یہاں تک تو خیر کچھ غنیمت تھا' اس لئے کہ مسلمانوں کو جب بھی یہ احساس ہو گا کہ جہیز محض ہندوؤں کی ایک رسم ہے تو وہ اسے ترک کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے لیکن غضب تو یہ ہے کہ انہوں نے اسے سنتِ رسول ﷺ بھی قرار دے دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سنت کے بغیر دین مکمل نہ ہو تو ازدواج بھی بغیر سنتِ جہیز کے مکمل نہیں ہو سکتا۔ پھر سب سے زیادہ دلچسپ استدلال جہیز کے سنت ہونے پر یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا جس میں بان کی چارپائی' چکی' مٹی کے گھڑے' فیل دنداں کے کنگن' چاندی کا ہار' مشکیزے اور اذخر سے بھرا ہوا گدا تھا۔ گویا مقدمات کی ترتیب یوں ہوئی کہ : حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کو فلاں فلاں چیزیں جہیز میں دیں' لہٰذا جہیز دینا سنت ٹھہرا۔ اور سنت کے بغیر دین مکمل نہیں ہو سکتا' لہٰذا جہیز کے بغیر ازدواج مکمل نہیں ہو گا۔ آپ نے ملاحظہ فرمالیا؟ کہ ایک غیر اسلامی اور خالص ہندوانہ رسم کس طرح رواج پا گئی۔

مہر کی بجائے جہیز

اب ہماری معروضات کو بھی بغور سن لیجئے۔ آپ کے سامنے خدا کی کتاب کھلی ہے، احادیث کے دفتر موجود ہیں، ہر مشرب کی کتب فقہ رکھی ہوئی ہیں۔ آپ کو ہر ایک جگہ زرِ مہر کی تصریح ملے گی۔ قرآن نے اسے فریضہ، صَدُقہ اور اجر کہا ہے۔ احادیث میں اسے صِداق اور مہر بھی کہا گیا ہے۔ فقہ میں اس کے مستقل ابواب موجود ہیں اور ہر جگہ اسے ایک واجب الادا فرض بتایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ مسند احمد کی روایت ہے کہ :

من تزوج امرأة بصداق ونوٰی ان لا یودیه فهو زان

"جو شخص ایک عورت سے کسی مہر پر نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ اسے ادا نہیں کرے گا تو اس کا شمار زانیوں میں ہے"۔

اور قرآن میں تو بار بار اس کی تاکید آئی ہے کہ عورتوں کو ان کا مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔ سب کا ذکر یہاں مقصود نہیں۔ عرض یہ کرنا ہے کہ مہر کے سارے احکام قرآن میں، حدیثوں میں اور فقہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہیں، لیکن جو چیز آپ کو کہیں بھی نہیں ملے گی وہ ہے جہیز کا ذکر---- قرآن اس کے ذکر سے قطعاً خالی ہے۔ احادیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ حتیٰ کہ فقہ میں کہیں کوئی باب الجہیز موجود نہیں۔ اب خود ہی اس سوال کو حل کیجئے کہ یہ جہیز سنت کیسے بن گیا؟

پھر اس پر بھی غور فرمائیے کہ حضور ﷺ کی اور بھی تین صاحبزادیاں تھیں، زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا۔ لیکن کیا آپ نے کبھی یہ بھی سنا کہ حضور ﷺ نے زینبؓ کو یہ چیزیں جہیز میں دیں یا رقیہؓ یا کلثومؓ کو جہیز دیا جس میں فلاں فلاں چیزیں تھیں۔ اسے بھی جانے دیجئے۔ حضورؐ کے شرفِ زوجیت میں کتنی امہاتِ مومنینؓ آئیں لیکن آپ نے کہیں یہ بھی پڑھا ہے کہ عائشہؓ کے جہیز میں یہ چیزیں تھیں؟ یا حفصہ و سودہ (رضی اللہ عنہما) یا دوسری ازواج النبیؐ فلاں فلاں چیزیں اپنے ساتھ لائی تھیں؟ چلیے جانے دیجئے۔ دوسرے بے شمار صحابہؓ نے بھی شادیاں فرمائیں، لیکن کتنوں کے متعلق آپ نے کبھی یہ ذکر پڑھا ہے کہ ان کی ازواج سنتِ رسولؐ کے مطابق اپنے ساتھ جہیز لائی تھیں؟

پھر ذرا عقل پر زور دے کر سوچئے کہ آخر یہ سنّتِ رسول کی کونسی قسم ہے جو ازدواجِ فاطمہؓ کے سوا کہیں بھی نظر نہیں آتی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ حقیقت کچھ اور ہو اور ہم نے فرض کر لیا ہو کچھ اور؟ ہاں یقیناً یہی بات ہے' آیئے ذرا اس پر غور کریں۔

حقیقتِ حال

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضور ﷺ نے وہ چیزیں (جن کا اوپر ذکر ہوا) جناب فاطمہؓ کو دیں لیکن کیا یہ وہی چیز تھی جسے ہم عرفِ عام میں "جہیز" کہتے ہیں؟ یقیناً نہیں۔ جہیز کی اصطلاح سے اسے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ پھر یہ کیا تھا؟ اسی مسئلے پر اِس وقت غور کرنا ہے۔ ذرا توجہ سے کام لے کر حقیقت حال پر غور فرمایئے۔

حضور ﷺ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کے کفیل و سرپرست تھے' اس لئے دونوں کے ازدواج کا اہتمام بھی حضورؐ ہی کو کرنا تھا۔ جناب علیؓ کا کوئی گھر نہ تھا' آپؓ کو ایک الگ گھر بسانا تھا' اس لئے اس کا انتظام بھی حضورؐ ہی فرما رہے تھے۔ گھرداری کے انتظام کے لئے جو کچھ مختصر سا اہتمام حضورؐ نے مناسب سمجھا' کر دیا۔ سونے کو چارپائی اور اذخر (گھاس) بھری توشک اور تکیہ' مشکیزے' گھڑے' چکی۔ رہا چاندی کا ہار تو وہ یوں بھی حضرت فاطمہؓ ہی کا تھا جو آپ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ترکے میں ملا تھا۔ یہ سارا انتظام حضورؐ کو اس لئے کرنا پڑا کہ آپؐ کو ایک الگ گھر بسانا تھا۔ اگر حضرت علیؓ کا پہلے سے کوئی الگ گھر ہوتا تو حضورؐ اتنا کچھ بھی نہ کرتے۔

حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کا گھر پہلے سے موجود تھا اس لئے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بیاہنے کے لئے حضور ﷺ نے ایسا کوئی انتظام نہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا الگ گھر بھی پہلے سے موجود تھا اس لئے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بیاہنے میں حضورؐ کو ایسے کسی اہتمام کی ضرورت نہ پڑی۔ اسی طرح حضور ﷺ کی زوجیت میں جو امہاتِ مومنینؓ آئیں ان کے والدین کو بھی ایسے کسی انتظام کی حاجت نہ تھی۔ لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حیثیت ان سب سے مختلف تھی۔ اب تک وہ حضورؐ کے ساتھ ہی رہتے تھے اور جب نکاحِ فاطمہؓ ہوا تو سارا اہتمام از سرِ نو کرنا پڑا۔ سیدنا علیؓ کے پاس کوئی الگ گھر

نہ تھا۔ ایک انصاری حارثہ بن نعمانؓ نے اپنا ایک گھر حضورؐ کی خدمت میں اسی مقصد کے لئے بخوشی پیش کر دیا جس میں یہ پاکیزہ نیا جوڑا منتقل ہو گیا۔ اور گھرداری کے فقیرانہ اسباب وہاں بھیج دیئے گئے۔ یہ جہیز نہ تھا' صرف ایک نیا انتظامِ خانہ داری تھا۔ اگر جہیز ہوتا تو حضورؐ اپنی ہر بیٹی کو اسی طرح جہیز دیتے اور ہر ام المومنینؓ بھی اپنے ساتھ حضورؐ کے ہاں جہیز لاتیں۔ یہ ہے اصل حقیقت جسے جہیز کا نام دے دیا گیا ہے اور اسے سنتِ رسول ﷺ سمجھ لیا گیا ہے۔

ایک اور بات

حضرت فاطمہؓ کو نکاح کے وقت جو سامان ملا تھا اس کے جہیز نہ ہونے کی ایک اور دلیل بھی سن لیجئے۔ جناب خدیجہؓ کے متروکات کے سوا دوسری چیزیں حضورؐ نے کہاں سے مہیا فرمائی تھیں؟ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل چیز ہے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے حق مہر پہلے ہی لے لیا تھا۔ یہ ایک حطمیہ زرہ تھی جو حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سوا سو روپے کی رقم (تقریباً پانچ سو درہم) میں فروخت کی تھی۔ یہی مہر کی رقم حضرت علیؓ حضورؐ کی خدمت میں لے آئے اور اسی رقم سے حضورؐ نے گھرداری کا سارا سامان اور کچھ خوشبو وغیرہ منگوائی تھی۔ ذرا سوچئے کیا جہیز کی یہی صورت ہوتی ہے؟ اگر لوگ فی الواقعہ جہیز کو سنت سمجھتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ اسے زرِ مہر ہی سے مہیا بھی کریں۔

غلط فہمی کی ابتداء

اب آیئے ذرا اس پر غور کریں کہ جہیز کی یہ غلط فہمی کیسے پیدا ہوئی؟ بات یوں چلی کہ بیہقی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ :

جھز رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم فاطمۃ فی خمیل....الخ

"حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کے لئے اونی چادر اور فلاں فلاں چیزیں مہیا فرمائیں"۔

یہاں "جَھَّزَ" کے معنی کسی دور میں "جہیز دینا" کر لئے گئے اور یہ غلطی چل پڑی۔ رفتہ رفتہ

اس پر اس غلط فہمی کے دبیز پردے پڑتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آخر کار لوگوں نے جہیز کو سنتِ رسولؐ بنا چھوڑا۔

"جَهَّزَ تَجْهِيزًا" کے معنی ہیں سامان تیار کرنا، مہیا کرنا، خواہ وہ کسی مسافر کے لئے ہو یا کسی دلہن کے لئے یا کسی میت کے لئے۔ سورۂ یوسف میں ہے :

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجِهَازِهِمْ

"جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کا سامان تیار کر دیا"۔

یہاں کون یہ ترجمہ کر سکتا ہے کہ جب یوسف نے اپنے بھائیوں کو جہیز دیا؟

ہم جو "میت کی تجہیز" کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے "جہیز" کون مراد لیتا ہے؟ احادیث میں بہت جگہ یہ لفظ آیا ہے۔ اور کہیں بھی "جہیز" کے معنی میں نہیں۔

من جهز غازيًا.....(بخاری) من جهز جيش العسرة.....(بخاری)

كنت اجهز للشام.....(ابن ماجہ) انی لاجهز جيشی.....(بخاری)

كنا فی من جهز عائشة.....(مسند احمد)

فجهزت نصف الجيش.....(ترمذی) وغیرہ۔

یہی شکل دلہن کی ہوتی ہے۔ کوئی والدین اپنی بیٹی کو شادی کے بعد گھر سے اس طرح رخصت نہیں کرتے کہ اس کے کپڑے بھی اتروالیں۔ پدری اور مادری محبت کچھ نہ کچھ ساتھ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اور یہ سلسلہ صرف رخصتی کے وقت تک ہی محدود نہیں رہتا۔ والدین ساری عمر اپنی استطاعت و توفیق کے مطابق اسے دیتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ معروف جہیز نہیں ہوتا۔ وہ عرصۂ دراز تک کسی مجبوری کی وجہ سے اس کی شادی نہ کر سکیں جب بھی اسے کچھ نہ کچھ دیتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اسے جہیز تو نہیں کہتے۔ بس حضورؐ نے ایک الگ گھر بسانے کے لئے جو کچھ بھی جناب فاطمہؓ کو دیا اس کو "جہیز" سمجھنا ایک ایسی غلطی ہے جس کے حق میں کوئی معقول دلیل نہیں نظر آتی۔ حضورؐ نے کبھی کسی موقعے پر بھی والدین کو اپنی بیٹی بیاہنے کے لئے جہیز دینے کا حکم یا کوئی ترغیب نہیں دی۔ سنتِ نبویؐ میں تو یہ اصطلاح ہی کبھی نہیں رہی۔ یہ سارے پھندے ہم نے خود اپنی گردن میں ڈال کر اپنے لئے مشکلات پیدا کر لی ہیں جن سے سوشل زندگی اجیرن ہو گئی ہے اور شادی بیاہ کی آسانیاں

مصیبتوں کے پہاڑ میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ جو سہولتیں ہیں وہ خدا اور رسول کی طرف سے ہیں اور جو دشواریاں اور مشکلات ہیں وہ خود ہماری اپنی لائی ہوئی ہیں۔ جہیز کی فکر میں گھل گھل کر مرنا اور اس فکر کی وجہ سے دختروں کو ایک مصیبت سمجھنا کوئی اسلامی شعار نہیں۔ یہ صرف برادرانِ وطن کی کورانہ پیروی ہے جسے اب ہندو خود چھوڑ رہے ہیں۔ اور ہم ہنوز اس سے نہ فقط چمٹے ہوئے ہیں بلکہ غضب یہ ہے کہ اسے سنتِ رسولؐ اور لازمۂ شادی بھی سمجھے ہوئے ہیں۔ ع

چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی؟

بہار، سابق پنجاب اور سرحد کے رواج

ہندوستان میں صوبہ بہار کے مسلمانوں میں اب تک ایک ہندوانہ رسم باقی ہے جسے تلک کہتے ہیں۔ "تلک" کا مفہوم یہ ہے کہ گویا لڑکے کی تجارت ہوتی ہے۔ لڑکا لڑکی والوں سے یہ کہتا ہے کہ تم جہیز میں فلاں فلاں چیزیں دو یا اتنی رقم دو تو میں تمہاری لڑکی سے شادی کروں گا اور بے چارے مسلمان اس خیال سے کہ کب تک لڑکی کو بٹھائے رکھیں گے اس کی شرطیں قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ خطبۂ نکاح میں تو ہر جگہ یہی ارشادِ نبویؐ پڑھا جاتا ہے کہ النکاحُ مِن سُنّتی ومَن رَغِبَ عن سُنّتی فلیس مِنّی (نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ میری جماعت میں نہیں) لیکن "اتباعِ سنّت" کا یہ انداز بھی قابلِ داد ہے کہ ساتھ ہی ساتھ "تلک" کی شرط کو بھی منظور کر لیتے ہیں اور جہیز کی "مفروضہ سنت" کو بھی لازمۂ ازدواج تصور کرتے ہیں۔ اور صوبہ سرحد میں اس کے بالکل برعکس لڑکی والے لڑکے سے کہتے ہیں کہ اتنے روپے لاؤ تو ہم لڑکی دیں گے۔ پھر وہ اسی رقم کا خاصا حصہ شادی کے تمام انتظامات میں لگا دیتے ہیں۔ گویا بہار میں لڑکے فروخت ہوتے ہیں اور یہاں لڑکیاں۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جب فروعات پر زور دیا جائے تو اصول کی طرف سے بے توجہی ہو جاتی ہے۔ جب غیر ضروری شے کو لازمی تصور کر لیا جائے تو ضروری چیز کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ ایک غیر ضروری چیز جہیز کو لازمۂ ازدواج یقین کر لیا تو مہر

جیسی ضروری شے محض ایک بے جان' بے اثر اور ناقابلِ توجہ رسم بن کر رہ گئی۔ جہاں جہاں جہیز پر زور دیا جاتا ہے وہاں آپ دیکھ لیں کہ مہر کی کیا گت بنتی ہے۔ صوبہ بہار میں عام طور پر کم از کم چالیس ہزار روپیہ مع "دو دینار سرخ" دین مہر رکھا جاتا۔ خواہ دولہا چالیس روپے کی بھی سکت نہ رکھتا ہو۔ ایسے موقع پر دولہا' دلہن' نکاح خوان' گواہ' حاضرین' سسرال والے اور میکے والے سب جانتے ہیں کہ یہ زرِ مہر ساری عمر کبھی ادا نہیں ہو گا لیکن نکاح بڑے ٹھاٹھ سے ہوتا ہے۔ نکاح خواں پوچھتا ہے کہ..... قبول کیا؟ دولہا جواب دیتا ہے .....جی قبول کیا۔ حالانکہ دونوں ایک دوسرے کے جھوٹ کو سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ غیر ضروری چیز پر زور دینے کا نتیجہ کیا نکلا؟ ضروری غیر ضروری بن گیا۔ چونکہ وہاں مہر کبھی ادا نہیں ہوتا اس لئے وہاں اصطلاح مہر کو کہتے ہیں "دین مہر" یعنی کبھی نہ اترنے والا قرض۔ بعض علاقوں میں مہر بتیس روپے قرار پائے۔ اور اس کا نام "مہر شرعی" رکھ دیا گیا یعنی اگر اس سے کم زیادہ ہوا تو وہ غیر شرعی مہر ہو گا۔ حالانکہ مہر کا معاملہ صرف اس قدر ہے کہ شوہر آسانی سے ادا کر سکے اور بیوی کے وقار (STATUS) سے گرا ہوا نہ ہو۔ یہ دس درہم سے لے کر ایک کروڑ روپے تک ہو سکتا ہے۔

یہ سب نتائج ہیں جہیز کی ہندوانہ رسم کو ضروری سنت قرار دینے کے۔ جب جہیز ضروری ٹھہرا تو مہر خود بخود غیر ضروری یا غیر متوازن ہو گیا۔ جہیز کو لازمۂ ازدواج سمجھنے سے مسلمان قوم کے معاشی توازن میں جو بگاڑ پیدا ہوا وہ الگ ہے۔ ہم نے کتنے خاندانوں کو اسی چکر میں مٹتے اور تباہ ہوتے بھی دیکھا ہے۔ وہ محض جہیز کی غیر ضروری رسم پوری کرنے کے لئے سودی قرضہ لیتے ہیں' اپنی جائیدادیں رہن رکھ دیتے ہیں جو کبھی واگذار نہیں ہوتیں۔ ادھر مہر کی بڑی رقمیں ادا نہیں ہوتیں اور ادھر جائیداد پر لیا ہوا قرضہ کبھی ادا نہیں ہوتا۔ اور شادی کا فرض قرض کے چکر میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔

(بشکریہ : سہ ماہی "تفکر" لاہور)

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ

از : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

سورۃ المدثر میں مذکور ہے کہ حساب کتاب کے بعد جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے تو جنتی دوزخ میں پڑے لوگوں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کونسی چیز دوزخ میں لے گئی؟ تو وہ جواب میں چار چیزوں کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ (۱) ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ (۲) مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ (۳) فضول قسم کی محفلوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ (۴) فیصلے کے دن کا انکار کرتے تھے۔ اسی حال میں ہماری مہلتِ عمر ختم ہو گئی یعنی موت آ گئی۔ گویا وہ لوگ اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے اقرار کر رہے ہیں کہ دیگر جرائم و آثام کی نسبت یہ چاروں کام دوزخ کا مستحق بنانے کی خصوصی تاثیر رکھتے ہیں۔ اب قرآن تو آیات پر غور و فکر اور تدبر و تذکر کی دعوت دیتا ہے۔ جب کوئی قاری ان آیات پر غور کرے گا تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ دوزخیوں اور جنتیوں کے مابین یہ گفتگو امتِ مسلمہ کے افراد کو دو ٹوک انداز میں اسبابِ دخولِ جہنم کی نشاندہی کرتی ہے تاکہ قرآن پڑھنے والے دخولِ جہنم کے اسباب کو اچھی طرح جان لیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں ورنہ پیمانۂ عمر لبریز ہو جانے کے بعد خدا کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کچھ فائدہ نہ دے گا۔

ترکِ صلوٰۃ

نماز ارکان اسلام میں سے ایک رکن، حقوق اللہ میں سے ایک حق اور لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کی مظہر ہے۔ فرمان نبویؐ کے مطابق جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا گویا کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ یعنی نماز مومن اور کافر کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ نماز مسلمان کی شناخت ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔ نماز قائم کرنے کا حکم خداوندی قرآن شریف میں متعدد

مرتبہ آیا ہے جس سے اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ پھر خود رسول پاک ﷺ کا طرز عمل ملاحظہ ہو کہ آپؐ نے پوری زندگی آخری سانس تک نماز پنجگانہ کی پابندی کی ہے بلکہ آپؐ کو نماز کے ساتھ اس قدر الفت تھی کہ راتوں کو نفل نمازوں میں اس قدر لمبا قیام کرتے کہ پاؤں مبارک پر ورم آجاتا۔ نماز عبد اور معبود کے تعلق کو نمایاں کرتی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حالتِ سجدہ میں انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ترین ہوتا ہے۔ غور کیجئے تارکِ صلوٰۃ معرفتِ حق تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ وہ رسول پاک ﷺ کی محبوب عبادت کو چھوڑ کر خدا کا پیارا کیسے بن سکتا ہے؟ خالی زبانی دعوؤں اور خوشامدی جملوں سے نہ خدا کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے نبی ﷺ کو۔ سچ تو یہ ہے کہ مسلمان وہی ہے جس کی پسند و ناپسند اللہ اور اس کے رسوں کی پسند و ناپسند کے تابع ہوگی۔

آج دیکھئے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نماز کی اہمیت سے غافل ہے۔ اپنی اپنی مصروفیتوں میں نماز کو بھولے بیٹھے ہیں اور کچھ بد عمل مولویوں کے طرز عمل کو آڑ بنا کر نماز اور مسجد سے بے تعلقی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ وہ مولویوں کو دین کا نمائندہ سمجھے بیٹھے ہیں حالانکہ یہ دھوکہ ہے۔ ہمارے لئے اسوۂ حسنہ خود رسول پاک ﷺ ہیں' ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا ہے اور بس! ایسے لوگ ڈاڑھی رکھنے' نماز پڑھنے اور شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنے کو محض قدامت پسندی اور جنونیت سمجھتے ہوئے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ غفلت بڑی خطرناک ہے۔ سورۃ المدثر کی زیر بحث آیات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوزخی اہل ایمان میں سے ہوں گے' کیونکہ اگر کافر ہوتے تو مطلق کفر ہی کو دخول جہنم کا سبب بناتے۔ مولانا مودودیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں: "..... اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ نماز کوئی شخص اس وقت پڑھ ہی نہیں سکتا جب تک وہ ایمان نہ لایا ہو اس لئے نمازیوں میں سے ہونا آپ سے آپ ایمان لانے والوں میں سے ہونے کو مستلزم ہے لیکن نمازیوں میں سے نہ ہونے کو دوزخ میں جانے کا سبب قرار دے کر یہ بات واضح کر دی گئی کہ ایمان لا کر بھی آدمی دوزخ سے نہیں بچ سکتا اگر وہ تارکِ نماز ہو"۔ (تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۱۵۴)

پس مسلمان کا کسی بھی عذر سے تارکِ صلوٰۃ ہونا انتہائی خود فریبی ہے۔ ترک نماز تو دور کی بات ہے' نماز کو پورے اہتمام اور تکلف سے پڑھنے کی تلقین ہے۔ غفلت اور سستی کے

ساتھ ادا کردہ نماز پر بھی بڑے عذاب کی تنبیہہ کی گئی ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ خود بھی نماز پڑھیں اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز پڑھنے کی تاکید کریں۔ دیکھئے قرآن پاک میں ہے :

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ : ۱۳۲)

"اور (اے نبیؐ) اپنے اہل کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر جمے رہئے!"

نماز کی اس قدر اہمیت اور تاکید کے باوجود اگر کوئی مسلمان تارکِ صلوٰۃ ہو تو یہ بات اسی طرح ناقابلِ فہم ہے جس طرح کسی مسلمان کا جہنم میں پھینکا جانا سمجھ میں نہیں آتا۔

مسکین کو کھانا نہ کھلانا

اہل دوزخ اپنا دوسرا بڑا جرم مسکین کو کھانا نہ کھلانا بتلاتے ہیں۔ نماز کی طرح قرآن شریف میں مسکین کو کھانا کھلانے کی تاکید بھی کئی مرتبہ بیان ہوئی ہے۔ صاحب حیثیت لوگوں کا فرض ہے کہ وہ مفلس اور نادار لوگوں کا خیال رکھیں' ان کی ضروریات پوری کریں' ان کی تنگدستی دور کرنے کی کوشش کریں' بھوکوں کو کھانا کھلائیں۔ رزق کی کثرت و قلت اللہ کے اختیار میں ہے' وہ کچھ لوگوں کو کشادہ روزی دیتا ہے جبکہ کچھ دوسروں کا رزق تنگ ہوتا ہے۔ پس کشادہ روزی والے نعمتوں اور آسائشوں کی فراوانی پاکر احساس برتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کو قابل نفرت اور حقیر سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کی تعلیم کے مطابق امیر لوگوں کی روزی میں ناداروں کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اسی لئے امیروں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مفلسوں اور غریبوں کو ان کا حق ادا کریں۔ اور اگر وہ یہ حق نہیں ادا کرتے تو گویا وہ حق تلفی کے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ سورۃ الذاریات میں ہے :

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ○

"اور ان کے مالوں میں سوالی اور نادار کا حق ہے"۔

اسی طرح سورۃ المعارج میں ہے :

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ○ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ○

"اور وہ لوگ جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا مقرر حق ہے"۔

یوں دولت مندوں پر واضح کر دیا کہ ان کے مالوں میں ضرورت مندوں کا حق شامل ہے جو انہیں ضرور ادا کرنا ہے۔ پھر سورۃ الماعون میں یَوم الدِّین کو جھٹلانے والے شخص کی نشانیاں بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ دوسروں کو مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔ گویا دولت مندوں کو اس بات کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے کشادہ رزق میں سے لازمی طور پر ناداروں کا حصہ ادا کریں۔ یہاں قابل غور بات یہ بھی ہے کہ سورۃ الماعون میں "اِطعام المِسکین" کی بجائے "طَعَام المِسکِین" یعنی "مسکین کا کھانا" مرکب اضافی کی صورت میں آیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دولت مند مسکینوں کو ان کا کھانا لوٹائیں جو ان کے پاس بطور امانت رکھا گیا ہے۔

اگر ہم اپنی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اَسلاف میں نہ صرف ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کا جذبہ تھا بلکہ وہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے تھے۔ سورۃ الحشر میں انصارِ مدینہ کے ایثار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

"اور وہ دوسرے ضرورت مندوں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اور اگرچہ وہ خود بھوکے ہوتے ہیں"۔

یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ افراد کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ بھوکے رہ کر دوسروں کی بھوک مٹاتے تھے چہ جائیکہ اپنی ضروریات اور سہولتوں کی فراہمی میں اپنے ارد گرد کے نادار اور غریب لوگوں کو نظر انداز کیا جائے۔

یہ گھاٹی عبور کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ نفس کا لالچ تو انسان کو خود غرض بناتا ہی ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (یوسف: ۵۳) "بیشک نفس تو پوری قوت کے ساتھ برائی پر آمادہ کرتا ہی ہے سوائے اس شخص کے جس پر میرے رب نے رحم کیا"۔ جب بھی انسان فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ارادہ کرے شیطان اسے مال کے کم ہونے

کے خدشے میں مبتلا کر کے اس کا ہاتھ روکتا ہے : اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ (البقرہ : ۲۶۸) "شیطان تمہیں افلاس سے ڈراتا ہے۔" ایسے موقع پر اہل اللہ ہی نفس کو کچلنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ اور جو یہاں کامیاب رہے بس وہی حقیقت میں کامیاب ہیں۔ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (الحشر : ۹) "اور جو نفس کے لالچ سے بچالیا گیا پس ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" ورنہ نفس کا حملہ تو آخری وقت تک جاری رہتا ہے۔ اگر انسان ضرورت مندوں پر مال خرچ کرنے کا ارادہ کر ہی لے تو نفس نمود و نمائش کی ترغیب دیتا ہے تاکہ یہ انفاق اکارت چلا جائے۔ کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ : ۲۶۴) "مانند اس شخص کے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھلاوے کے لئے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ یوم آخر پر" ۔ یا پھر بچا کھچا اور ناقص مال خرچ کرتا ہے جو قبول نہیں ہوتا۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ○ (آل عمران : ۹۲) تم ہرگز نیکی کو نہیں پاسکتے یہاں تک کہ اس شے میں سے خرچ کرو جسے تم پسند کرتے ہو"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا : "وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو خود تو پیٹ بھر کر سو جائے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہو اور اسے علم بھی ہو"۔ معلوم ہوا کہ بھوکے کو کھانا کھلانا انتہائی ضروری ہے۔ اسلامی نظریہ حیات کے مطابق صحیح طرز عمل یہ ہے کہ ثروت مند لوگ غریبوں اور مسکینوں کی تضحیک و تحقیر کی بجائے ان کے ساتھ ہمدردی اور اعانت کا رویہ اپنائیں تاکہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر معاشرے کا عضوِ معطل نہ بنیں بلکہ برابری کے احساس کے ساتھ اپنی صلاحیتیں بروئے کار لاکر ملک و ملت کے لئے مفید ثابت ہو سکیں۔

فضول بحث و مشاغل میں الجھنا

لایعنی باتوں کے پیچھے پڑنا اور فضول مشاغل میں وقت صرف کرنا بھی دخول جہنم کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اگر ہم سیرتِ نبوی کا مطالعہ کریں تو ہمیں اسوۂ حسنہ میں ایک بھرپور عملی زندگی نظر آتی ہے جو سراسر جدوجہد اور سعی و جہاد سے پُر ہے۔ حیاتِ طیبہ کا ایک

لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جسے بامقصد نہ گزارا گیا ہو۔ یہی اسوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنایا اور یہی صلحائے امت کا شعار تھا۔ اسلام میں تضیعِ اوقات کا کوئی تصور نہیں۔ کسی مسلمان کے پاس فالتو وقت نہیں ہوتا جس میں وہ کسی عبث کام میں الجھے۔ اہل دوزخ کہہ رہے ہیں : كُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ یعنی "ہم مشغول رہتے تھے مشغول رہنے والوں کے ساتھ"۔ اور "خوض" وہ مشغلہ ہے جو نتیجہ خیز نہ ہو۔ گویا جس قسم کی بھی محفل دیکھی اسی میں شامل ہو گئے' یہ نہ سوچا کہ اس مشغولیت میں کوئی دینی یا دنیاوی منفعت بھی متوقع ہے یا نہیں۔

یہ مشغولیت اگرچہ معصیت کے تحت تو نہیں آتی' لیکن مسلمان کی زندگی کے لمحات بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طالب علم امتحان گاہ میں بیٹھا ہے۔ اسے محدود وقت دیا گیا ہے۔ اگر وہ طالب علم اپنے وقت سے بھرپور انداز میں استفادہ کرتا ہے اور پرچہ میں دیئے گئے سوالوں کے جوابات میں پوری طرح منہمک رہتا ہے تو اس کا نتیجہ اچھا رہے گا۔ اس کے برعکس اگر طالب علم کمرۂ امتحان میں بیٹھ کر نہ تو دھیان سے پرچہ امتحان ہی پڑھے اور نہ ہی سنجیدگی کے ساتھ سوالات کے جوابات لکھے بلکہ اپنی جوابی کاپی پر الٹی سیدھی لکیریں لگانے میں وقت ختم کر دے تو ایسے طالب علم نے کارِ عبث کیا اور نتیجہ کے وقت اسے حسرت اور مایوسی کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ حدیث نبویؐ کے مطابق دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جو کسان بوائی کے موسم میں بیج کاشت کرنے کی بجائے ادھر ادھر کے کاموں میں مشغول رہا وہ کٹائی کے موسم میں لازماً محروم رہے گا۔

مسلمان کو تو زندگی گزارنے کا مکمل پروگرام دیا گیا ہے' جو الفاظ کی صورت میں قرآن پاک ہے اور عمل کی صورت میں رسول خدا کی زندگی ہے جو سراسر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے تعبیر ہے۔ حقوق اللہ میں تمام عبادات اور حقوق العباد میں تمام معاشرتی ذمہ داریاں شامل ہیں۔ کون شخص ایسا ہو گا جو عبادات کا حق بھی ادا کر چکا اور معاشرتی ذمہ داریاں بھی پوری کر چکا اور اب لغویات کے لئے بھی اس کے پاس وقت بچ گیا ہے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

کھیل تماشے' ناچ گانے اور اسی طرح کی دوسری لغویات نفس کے لئے تو پرکشش ہیں' مگر کارِ عبث ہونے کی وجہ سے اسلام میں ان کی کوئی گنجائش نہیں۔ مسلمان کی زندگی میں وقت

کاٹنے کا کوئی تصور نہیں کیونکہ اس کی زندگی میں کرنے کے بہت اہم کام موجود ہیں جن سے مطلق خیر برآمد ہوتی ہے۔ وہ اللہ کے ذکر میں اور قرآن سیکھنے سکھانے میں مصروف رہے گا۔ پھر روزی کمانے اور اہل خانہ کی تربیت اور نگہداشت کا فریضہ ادا کرے گا۔ ملک و قوم کی بہتری اور فلاح و بہبود کے کاموں میں شرکت کرے گا۔ اس کے پاس تاش کھیلنے اور لہو ولعب کے لئے وقت ہی کہاں ہوگا۔

جہالت اسلام کی ضد ہے' اس لئے کوئی مسلمان جاہل نہیں ہو سکتا۔ صحت کی بحالی کی خاطر سیر و تفریح اور ورزش کا تو جواز ہے کیونکہ صحت خود بہت بڑی نعمت ہے۔ صحت ہوگی تو فرائض کی ادائیگی ہو سکے گی۔ اگر مسلمان کو سفر درپیش ہو تو وہ "سِیرُوا فِی الْاَرْضِ" کے حکم کے موافق چشم عبرت وا رکھے گا تاکہ قدرت کی نشانیاں دیکھے اور ایمان و یقین کو مزید پختہ کرے۔ اگر وہ روزی کمانے کے لئے محنت کرتا ہے تو اس لئے کہ وہ دوسروں کے لئے مفید ثابت ہو سکے' نہ صرف اپنا اور اہل و عیال کا بوجھ اٹھائے بلکہ مستحقین کی خبر گیری بھی کر سکے۔ پس لایعنی مشاغل کے لئے اس کے پاس وقت کہاں سے آئے گا۔ اگر وہ فضول کاموں میں وقت لگائے گا تو اہم اور ضروری فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا اور یہی چیز اسے برے نتیجہ تک پہنچائے گی۔ قرآن شریف میں مسلمان کا طرز عمل یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت اسے فضولیات کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو وہ بڑے وقار کے ساتھ گزر جاتا ہے چہ جائیکہ خود ان لغویات اور لہو ولعب کا حصہ بن جائے۔

وَالَّذِینَ لَا یَشْهَدُونَ الزُّورَ وَاِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا کِرَامًا ○
(الفرقان : ۷۲)

"اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب گذرتے ہیں کھیل کی باتوں پر تو نکل جائیں بزرگانہ"۔ (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی وہ لایعنی مجالس attend نہیں کرتے۔

علامہ قرطبی نے حضرت عکرمہؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لعب کو جاہلیت میں "زُور" کہتے تھے۔ مشہور مفسر مولانا عبدالماجد دریابادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "اس کے تحت زمانے کے میلے ٹھیلے' مختلف بازیوں کے جمگھٹے' ناچ رنگ کی محفلیں' تھیٹر سینما وغیرہ داخل

ہیں" کیونکہ یہ تمام امور خیر سے خالی اور رغبت الی المعصیہ کا باعث بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے اکابرین' مشاہیر' ائمہ' محدثین اور صالحین کی زندگیاں اپنے اپنے دور میں رائج الوقت ہر قسم کے لہو ولعب سے یکسر خالی تھیں۔ سینما اور تھیٹر تو سلف صالحین کے وقت موجود نہ تھے مگر میلے ٹھیلے اور ناچ گانے کی محفلیں تو دورِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں بھی موجود تھیں' لیکن نہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں حصہ لیا اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے ان میں شمولیت کی۔ البتہ آج کے مسلمان لہو ولعب کے ان کاموں میں بڑے انہماک کے ساتھ مشغول ہیں۔ نہ صرف اس میدان میں اپنی توانائیاں اور وقت صرف کر رہے ہیں بلکہ دوسروں کی ترغیب کا ذریعہ بھی بن رہے ہیں۔ کاش وہ قرآن پاک سمجھ کر پڑھنے میں کوشش کریں اور سورۃ المدثر کی تلاوت کے دوران دوزخیوں کی آوازان کے کانوں تک پہنچ کر دل میں اتر جائے کہ وہ کہہ رہے ہیں :

كُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ○

"مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں پڑے رہتے تھے"۔ (ترجمہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی)

ٹیلی ویژن نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے کہ ناچ گانے کی محفلیں ہر گھر میں پہنچ گئی ہیں۔ متقی اور صالح گھرانے بھی دانستہ یا نادانستہ ان محافل کے "شاہد" ہو رہے ہیں۔ چونکہ باطل امور نفس کو بہت مرغوب ہوتے ہیں اس لئے بہت جلد انسان ان کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اسی انسانی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دورِ نبوی میں نضر بن الحارث مختلف ملکوں سے لٹریچر کی کتب لاتا' وہاں کے بہادروں کے افسانے اور قصے سناتا اور لوگوں کو کہتا کہ ان کو سنو اور ان میں جی لگاؤ' قرآن کے وعظ میں کیا رکھا ہے؟ اور ساتھ ایک حسین و جمیل ناچنے والی لڑکی رکھتا۔ اس طرح وہ لوگوں کو اسلام اور قرآن سے دور رکھتا۔ اب بھی جو لوگ مسلمان ہونے کے باوجود فحاشی اور لہو ولعب کی نشر واشاعت اور تشہیر میں لگے ہوئے ہیں وہ دشمنِ خدا و رسول نضر بن الحارث ملعون کے طریقے پر چل کر فسق وفجور پھیلا رہے ہیں' اگرچہ وہ اپنے تئیں بہت عقلمند سمجھ رہے ہوں' کیونکہ وہ اس راہ سے بین الاقوامی شہرت اور ڈھیروں دولت کما رہے ہیں۔ مگر سچ پوچھئے تو یہی لوگ انتہا درجہ کے احمق اور بے وقوف ہیں جو چند روزہ حیاتِ

مستعار کی تزئین کی خاطر ابد الآباد کی حیاتِ اخروی کے لئے عذاب در عذاب جمع کر رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر : ۲) "پس عبرت پکڑو اے دیکھنے والو"۔

فیصلے کے دن کا انکار

اہلِ جنت کے پوچھنے پر اہل دوزخ جو چوتھی بات بتائیں گے وہ یہ ہے کہ :

كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ

"ہم فیصلے کے دن کا انکار کرتے تھے"۔

یوم آخرت پر ایمان اسلام کے بنیادی اور اہم ترین عقائد میں سے ہے جس کی بنا پر ہر مسلمان کا یقین ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی۔ قیامت کے روز سب لوگوں کا حساب کتاب ہو گا' دنیا میں کئے گئے اعمال کی پڑتال ہو گی اور نتیجہ کے طور پر نیکو کاروں کو جنت میں جگہ ملے گی' جہاں ہر طرح کا آرام چین اور سکھ ہو گا' جبکہ بد اعمال لوگوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا جہاں دہکتی ہوئی آگ کا عذاب ہو گا۔

عقیدۂ آخرت کا استحضار انسان کو گناہوں سے دور رکھتا ہے جبکہ آخرت کی طرف سے عدم توجہی آدمی کو شترِ بے مہار بنا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تقویٰ کی زندگی پسند ہے اور تقویٰ یہ ہے کہ انسان دنیا میں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھے اور محتاط زندگی گزارے اور احتسابِ آخرت کو کبھی ذہن سے محو نہ ہونے دے تاکہ اگلی زندگی میں اس کے لئے ابدی راحت و آرام ہو اور وہ عذاب الٰہی سے بھی بچ جائے۔ قرآن شریف میں بتایا گیا ہے : إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات : ۱۳) "بیشک تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے"۔ پس خدا کا محبوب بننے کے لئے تقویٰ کی زندگی بہت ضروری ہے۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ آپؐ نے پوری زندگی رضائے الٰہی کے مطابق گزاری اور کبھی ذاتی خواہش کو اہمیت نہ دی۔ آپؐ کے طریقہ پر چل کر صلحائے امت کا بھی یہی معمول رہا۔ انہوں نے اپنی زندگیاں رضائے الٰہی کے تابع رکھیں اور یہ صرف ایمان بالآخرت سے ہی ممکن ہوا۔ جوں جوں ایمان بالآخرت میں ضعف پیدا ہوتا جائے گا توں توں اعمال میں بے احتیاطی راہ پاتی جائے

گی۔ اگر عمل کرتے وقت اس کے نتیجے کا احساس بیدار ہو تو آدمی گناہ سے بچ جاتا ہے اور نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق دنیا آخرت کی کھیتی ہے' جو یہاں آج بو یا جائے گا وہی وہاں کل کاٹنا ہو گا۔

سورۃ الحدید میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ یوم آخرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جب ایمان والے مردوں اور عورتوں کا نور ان کے سامنے اور دائیں روشن ہو گا اور وہ اطمینان کے ساتھ اس روشنی میں چل کر جنت کی طرف رواں دواں ہوں گے۔ ان کے پیچھے منافق مرد اور عورتیں ہوں گی جو ان کو آواز دے کر کہیں گے کہ ذرا رک جاؤ تاکہ ہم بھی تمہاری روشنی سے کچھ استفادہ کر لیں۔ اس پر ان کو جواب ملے گا کہ "واپس جاؤ اور روشنی لے کر آؤ"۔ اُس وقت دنیا میں واپسی تو ممکن نہ ہو گی لہٰذا ان کو یاس و حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور بالآخر وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی فکرِ آخرت کے بغیر گزاری' من مانی کی' خواہشِ نفس کے غلام بنے رہے' "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" پر عمل پیرا رہے' دنیا کمانے اور سجانے کی دوڑ میں اپنا سارا وقت اور توانائی خرچ کر ڈالی اور کبھی نہ سوچا کہ فیصلے کے دن ہمیں روشنی کی ضرورت پڑے گی۔ یہی لوگ ہیں جو عملی طور پر یومِ آخرت کے انکاری رہے۔

سورۃ المنافقون کے اخیر میں بتایا گیا ہے کہ غیر محتاط زندگی گزارنے والوں کو جب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا تو وہ خواہش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تھوڑی مدت کے لئے دوبارہ واپس دنیا میں بھیج دے تو وہ بہت خیرات کریں گے اور نیکوکار بن جائیں گے۔ مگر افسوس کہ اللہ تعالیٰ ان کو موقع نہ دے گا کیونکہ ان کی موت کے ساتھ مہلتِ عمر بیت چکی۔ اور اسی حسرت اور یاس میں ان کو آگ کے عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔

ہر طرزِ عمل کا انجام قرآن شریف میں کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے مگر فکرِ آخرت کو نظر انداز کرنے سے انسان کی آنکھوں کے سامنے پردہ آجاتا ہے جس سے وہ بد عملی کا واضح انجام نہیں دیکھ سکتا اور برائیوں میں آگے بڑھتا جاتا ہے۔ آج جو ہر طرف برائیوں کا دور دورہ ہے اس کی بڑی وجہ یہی عقیدۂ آخرت کی کمزوری ہے۔ بلاشبہ ہر مسلمان آخرت پر یقین رکھتا ہے مگر یہ یقین نظریئے کی حد تک رہ گیا ہے' عملی طور پر وہ دنیا کی چمک دمک پر فریفتہ ہو کر عقیدۂ

آخرت کا انکاری ہو چکا ہے۔ ورنہ مسلمان اور یہ بد عملی؟ کونسا جرم اور گناہ ہے جو اس وقت نہیں ہو رہا۔ قاتل کی سزا جہنم ہے مگر بے گناہوں کے گلے کون کاٹ رہا ہے؟

یوم آخرت کا ذکر قرآن پاک میں جابجا موجود ہے' مگر خود قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں میں کتنے ہیں جن کو فکرِ آخرت دامن گیر ہے۔ قرآن کی ایک یاددہانی ملاحظہ ہو :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اور چاہئے کہ ہر شخص دیکھ لے کہ کل کے لئے کیا آگے بھیجتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا' پھر اللہ نے ان کو خود ان کے جی بھلا دیئے۔ وہی لوگ فاسق ہیں۔ نہیں برابر آگ والے اور جنت والے۔ رہے جنت والے تو وہی ہیں مراد پانے والے"۔

ہوش مندی کا تقاضا ہے کہ آخرت پر ایمان لانے والے انجام کار کی پشیمانی' پچھتاوے' حسرت اور عذاب جہنم سے بچنے کے لئے قرآن پاک کی آفاقی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو ہر وقت پیش نظر رکھیں۔ دوسری شخصیات کے کردار کی جانچ کے لئے بھی اسوۂ حسنہ ہی کو معیارِ حق سمجھیں' ورنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ کو چھوڑ کر دوسری "بڑی" شخصیات کو محبوب بنانے کا نتیجہ تو بس محرومی اور ناکامی ہی نکلے گا۔ قرآن پاک ایسے لوگوں کی حالت زار اس طرح بیان کرتا ہے :

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُولُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ○ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ○ لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُولًا ○ وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُورًا ○ (الفرقان : ۲۷-۳۰)

"اُس دن ستمگر شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا : ہائے کاش کہ میں نے رسولؐ کی راہ لی ہوتی۔ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوا ہوتا' اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت (الذکر یعنی قرآن) میرے پاس آ پہنچی تھی۔ شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔ اور رسولؐ کہے گا : "اے میرے پروردگار بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا"۔

رفتارِ کار

تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کا

چوتھا سالانہ اجتماع

ایک اجمالی رپورٹ

تنظیم اسلامی پاکستان کے قافلے میں خواتین بھی بحمد اللہ شریک سفر ہیں اور اقامتِ دین کی جدوجہد میں بقدر استطاعت اپنا حصہ ادا کر رہی ہیں۔ دروس قرآن اور اجتماعاتِ عام کے ذریعے خواتین میں دینی شعور اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے۔ چنانچہ "تنظیم اسلامی حلقہ خواتین" کا چوتھا سالانہ اجتماع جو یکم مئی ۱۹۹۵ء کو قرآن آڈیٹوریم گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوا، اسے اسی سلسلے کی ایک کڑی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس مرتبہ اس اجتماع میں لاہور کے علاوہ پورے ملک سے بھی رفیقات کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ گویا پہلی بار یہ پروگرام قومی سطح پر ہوا۔ اس اجتماع میں کراچی سے مع ناظمہ کراچی نو رفیقات نے شرکت کی، فیروز والہ سے ۴۰ خواتین، گجرات و گوجرانوالہ سے ۲۰ خواتین، فیصل آباد سے تین رفیقات اور سرگودھا سے ایک رفیقہ نے پروگرام میں شرکت کی، جبکہ تقریباً ۸۰۰ خواتین لاہور سے شریک ہوئیں۔ صبح ساڑھے دس بجے تک آڈیٹوریم کی تمام نشستیں پر ہوگئی تھیں۔ چنانچہ رفیقات تنظیم سے کہا گیا کہ وہ آگے فرشی نشست پر آجائیں تاکہ مہمان خواتین کے لئے کرسیاں خالی ہو جائیں۔ الحمدللہ تمام رفیقات نے بھرپور تعاون کیا اور بغیر کسی پس و پیش کے اپنی نشستیں چھوڑ دیں۔ انتظامی لحاظ سے بھی یہ ایک بہت کامیاب پروگرام رہا۔ تمام خواتین اور رفیقات نے نظم و ضبط کا بھرپور مظاہرہ کیا اور کسی قسم کی کوئی بدنظمی دیکھنے میں نہیں آئی۔

اس اجتماع کے لئے پانچ ہزار ہینڈ بل شائع کروائے گئے تھے جن میں سے تقریباً چھ سو بذریعہ ڈاک رفیقات اور دیگر خواتین کو روانہ کئے گئے۔ باقی لاہور کی بعض مساجد میں اور تنظیم اسلامی کے اجتماعات میں تقسیم کئے گئے۔ اس کا الحمدللہ خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور قرآن آڈیٹوریم باوجود اپنی کشادگی کے تنگ دامانی کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔

رفیقاتِ تنظیم اسلامی کو سالانہ اجتماع عام سے ایک دن پہلے یعنی ۳۰/اپریل کو بلایا گیا تھا

اور ان کے قیام و طعام کا انتظام خواتین ہال قرآن اکیڈمی لاہور میں کیا گیا تھا۔ اسی روز شام کو بعد نماز عصر امیر محترم کا رفیقات سے خطاب کا پروگرام طے تھا جسے بعد میں سوال و جواب کی نشست میں تبدیل کر دیا گیا۔ امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے رفیقات کی طرف سے پیش کئے گئے سوالات کے مفصل اور تسلی بخش جوابات دیئے اور بعض انتظامی امور میں رفیقات کو مناسب ہدایات بھی دیں۔

اگلے روز یکم مئی کو پروگرام کے مطابق صبح ساڑھے آٹھ بجے چوتھے سالانہ اجتماع کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد "تعارفِ قرآن" کے موضوع پر ایک رفیقہ تنظیم نے نہایت پُراثر تقریر کی۔ انہوں نے قرآن کی عظمت پر روشنی ڈالنے کے علاوہ ہال میں موجود خواتین کو یہ بھی بتایا کہ قرآن مجید کے مسلمانوں پر کیا حقوق ہیں اور آیا ہم مسلمان یہ حقوق ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ اس کے بعد ایک بہن نے اپنے خطاب میں "ایمانیاتِ ثلاثہ" یعنی ایمان باللہ' ایمان بالآخرۃ اور ایمان بالرسالت کی تفصیل بیان کی اور ان کے حوالے سے بعض اہم علمی و عملی نکات سے شریکات اجتماع کو آگاہ کیا۔ پھر "عمل صالح" کے موضوع پر ہماری ایک اور رفیقہ نے اپنے خیالات کا بھرپور اظہار کیا اور انفرادی اور اجتماعی سطحوں پر عمل صالح کے تقاضوں کو اجاگر کیا۔ اس کے بعد "ستر و حجاب کے احکامات اور زنا کا سدِّباب" کے موضوع پر ایک رفیقہ تنظیم کا مؤثر خطاب ہوا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں وضاحت سے بتایا کہ پردہ کیوں ضروری ہے' دین میں اس کی اہمیت کیا ہے اور زنا کے سدباب کے سلسلے میں پردہ کیا اہمیت رکھتا ہے۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض ہماری ایک نہایت باصلاحیت رفیقہ نے انجام دیئے جو ہر تقریر کے آغاز و اختتام پر موقع کی مناسبت سے اشعار پڑھ کر یا احادیث سنا کر مقررہ کی حوصلہ افزائی کرتیں اور پروگرام میں گرم جوشی پیدا کرتی رہیں۔

"تواصی بالحق سے اعراض کی سزا۔ نفاق" کے موضوع پر ہماری ایک اور بہن نے نہایت پُراثر تقریر کی اور تواصی بالحق کی ضرورت و اہمیت اور اس سے اعراض کے نتیجے میں مرضِ نفاق کے پیدا ہونے کے خطرے کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا۔ اس کے بعد "صبر و مصابرت" کے موضوع پر ہماری ایک رفیقہ تنظیم نے بھرپور اور پر مغز تقریر کی اور صبر کا مفہوم' اس کے مراحل اور اس کے نتائج پر عمدگی سے روشنی ڈالی۔

اس کے بعد قریباً ساڑھے گیارہ بجے حسب پروگرام وقفہ ہوا جس میں خواتین کی تواضع کا ہلکا پھلکا اہتمام کیا گیا تھا۔ انتظامی ضرورت کے پیش نظر تمام خواتین کو ان کی سیٹوں پر ہی ان کا حصہ

پہنچادیا گیا۔اس دوران سٹیج سے ہماری تنظیم کی بچیوں نے نعتیں اور نظمیں سناکر شرکات کو محظوظ کیا۔گویا اس وقفے کے دوران بھی وقت کا بہتر استعمال کیا گیا اور کسی قسم کی بد نظمی پیدا نہیں ہوئی۔

وقفہ کے بعد "عید الاضحیٰ اور فلسفہ قربانی" کے موضوع پر تقریر تھی۔اس سلسلے میں ایک رفیقہ تنظیم نے بڑی جامع تقریر کی اور موضوع کا حق ادا کیا۔پھر حلقہ خواتین لاہور کی مقامی ناظمہ صاحبہ نے تنظیم اسلامی کا تعارف کرایا اور بھرپور انداز میں تنظیم کی دعوت پیش کرتے ہوئے اجتماعیت کے فوائد پر روشنی ڈالی۔انہوں نے بتایا کہ ایک اکیلا انسان کچھ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ کسی جماعت یا نظم سے منسلک نہ ہو۔ان کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ۳۵ خواتین نے اسی وقت بیعت فارم پُر کر کے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔

آخری تقریر نائب ناظمہ صاحبہ کی تھی۔انہوں نے سورۃ الحدید کی روشنی میں دینی تقاضے اور اس کے عملی پہلو پر انتہائی کم وقت میں جامع گفتگو کی اور نہایت مؤثر انداز میں بتایا کہ مسلمانوں کے دینی تقاضے کیا ہیں اور ان پر عمل کیسے ممکن ہے۔

آخر میں ناظمہ صاحبہ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین نے اپنے اختتامی کلمات میں تمام شریک خواتین کا شکریہ ادا کیا کہ وہ تشریف لائیں اور پروگرام میں کی گئی تمام تقاریر کو نہایت دلچسپی اور دلجمعی سے سنا۔ناظمہ صاحبہ کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

خواتین کے استفادے کے لئے اس اجتماع میں امیر محترم کی کتب اور آڈیو کیسٹس کے علاوہ حجاب بوتیک کے سٹال بھی لگائے گئے تھے جن میں خواتین نے بھرپور دلچسپی لی۔○○

مشرقی مسلمان عورت---روشنی سے محروم؟؟

برطانیہ میں مقیم دولت عثمانیہ کے سفیر کو برطانوی اکابرین سے ملنے کا اتفاق ہوا۔وہاں موجود مقتدر برطانوی شخصیتوں میں سے ایک صاحب نے سفیر موصوف سے سوال کیا کہ مشرقی مسلمان عورت کو آپ لوگ مردوں سے علیحدہ رکھ کر اسے پسماندہ اور روشنی سے محروم کیوں رکھنا چاہتے ہیں؟عثمانی سفیر کا جواب سننے سے تعلق رکھتا ہے۔انہوں نے کہا کہ "ہماری مشرقی عورتیں اپنے شوہروں کے علاوہ غیر مردوں سے بچے پیدا کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتیں"۔

(بشکریہ ملی ٹائمز' نئی دہلی)

مشاہدات و تأثرات

تیز ترک گامزن' منزلِ ما دُور نیست

تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کے چوتھے سالانہ اجتماع میں شریک ایک خاتون کے تاثرات

_____ بیگم ثریا عبدالوحید _____

یکم مئی ۱۹۹۵ء کو تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کا چوتھا سالانہ اجتماع قرآن آڈیٹوریم گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوا۔ پروگرام میں شرکت کی دعوت تنظیم اسلامی لاہور غربی کے ذریعے ملی جسے بخوشی قبول کرتے ہوئے پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کی دعوت اور کام میرے لئے اجنبی نہیں ہے' اس لئے کہ فیروز والا میں ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی اہلیہ محترمہ اور ان کی صاحبزادیاں ہمارے گھر تشریف لا کر ماہانہ درس قرآن سے فیض یاب کرتی رہی ہیں' جس سے ایمان میں تازگی اور دینی جذبے کو جلا حاصل ہوتی تھی' مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر درس قرآن کا یہ مبارک سلسلہ بند کر دیا گیا جس کا مجھے آج بھی بے حد افسوس اور رنج ہے۔ بات ہو رہی تھی چوتھے سالانہ اجتماع کی کہ ایک ذاتی مسئلہ درمیان میں آگیا۔ خیر' انسان اپنی ذات کو اجتماعیت سے علیحدہ تو نہیں کر سکتا۔ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کے تیسرے سالانہ اجتماع میں گزشتہ سال بھی شرکت کا موقع ملا تھا' اس حوالے سے آج بھی سورۃ العصر پر مبنی درس قرآن اور خاص طور پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا سورۂ لہب کے حوالے سے قرآنی درس میری یادداشت میں محفوظ ہے۔

فیروز والا سے ایک مزدا ویگن اور ایک پیلی ٹیکسی کے ذریعے خواتین کا قافلہ' خواتین کے چوتھے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے روانہ ہوا۔ فیروز والا سمیت رچنا ٹاؤن' امامیہ کالونی' برکت ٹاؤن اور شاہدرہ سے بھی خواتین ہمارے ساتھ شریک سفر تھیں۔ نو بج کر بیس منٹ پر قرآن آڈیٹوریم کے ہال میں داخلہ ہوا۔ خاتون کارکن ہال کے اندر داخل ہونے والی ہر خاتون کو ایک کتابچہ دے رہی تھیں۔

جب ہم ہال میں داخل ہوئیں تو اس وقت قرآن کی عظمت و اہمیت کے موضوع پر ایک

رفیقہ تنظیم روح پرور تقریر کر رہی تھیں۔ اظہار بیان کا طریقہ انتہائی عمدہ تھا۔ قرآن کیا ہے' اسے کیوں نازل کیا گیا؟ ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ موصوفہ نے جب اپنی بات ختم کی تو مجھے یہ خیال آیا کہ اب اور کونسی بات ایسی رہ گئی ہے جسے دوسری خواتین بیان کریں گی! پیارے پڑھنے والو! بات یہ نہیں ہے!! پروگرام اس قدر شاندار طریقے سے ترتیب دیا گیا تھا کہ کم از کم میرے پاس تو تعریف کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک لخت جگر کے بعد دوسری بیٹی نے پردے کے حوالے سے گفتگو کی۔ پردہ ہمارے دین میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔ ہم لوگ آج کل بازاروں میں خواتین کو بن سنور کر' پوری آن بان سے سج دھج کے ساتھ گھومتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ قیامت میں خدا تعالیٰ ان سب سے جب اس بے پردگی و نیم عریانی کے بارے میں پوچھے گا تو یہ خواتین اس وقت کیا جواب دیں گی؟ مقررہ صاحبہ کہہ رہی تھیں کہ پردے کے موضوع پر ڈاکٹر اسرار احمد نے اسی ہال میں نو گھنٹے کے دورانئے پر مشتمل پروگرام ریکارڈ کروایا ہے جب کہ مجھے اس موضوع پر بولنے کے لئے صرف پندرہ منٹ دیئے گئے ہیں۔ موصوفہ باکمال طریقے سے درس قرآن دیتی ہیں جب کہ لاجواب انداز سے قرآن کی تلاوت کرتی ہیں۔

سٹیج سیکرٹری صاحبہ ہر تقریر کے اختتام پر "جزاک اللہ" سے مقررہ کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں۔ تقریر کی مناسبت سے علامہ اقبال کا شعر پڑھ کر اگلے پروگرام کا اعلان کرتیں۔ بیگم محمود عالم میاں نے کمپیئرنگ کے فرائض بڑی ہی عمدگی سے ادا کئے۔ امیر تنظیم اسلامی کی ایک اور ہونہار بیٹی نے "تواصی بالحق" کے موضوع پر جامع انداز سے درس دیا' جسے سن کر روح تازہ اور قلب گرم ہو گیا۔ قرآن آڈیٹوریم کا وسیع و عریض ہال خواتین سے کھچا کھچ بھر گیا۔ اسی اثناء میں یہ اعلان کیا گیا کہ لاہور کی رفیقات تنظیم اپنی نشستوں کو چھوڑ کر مہمان خواتین کو جگہ دے دیں۔ قابل ستائش ہیں ایسی رفیقات جنہوں نے ایک آواز پر لبیک کہتے ہوئے سیٹوں کو چھوڑ کر دریوں کو زینت بخشی۔ وقفہ کے دوران شریک خواتین کی تواضع کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک اور لخت جگر نے صبر کے موضوع پر درس دیا۔ صبر کے حوالے سے موصوفہ کی باتیں سن کر میری آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ میں دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگی کہ اللہ نے ہمیں ان آزمائشوں میں نہیں ڈالا کہ ہم تو خیر سے پیدائشی مسلمان ہیں۔ ان کی باتیں ایسی دل پذیر تھیں کہ محویت کے عالم میں وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ رہا۔ اس گفتگو کی اگر میں تعریف کرنا چاہوں تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔ یہ خداداد صلاحیتیں اللہ اپنے نیک بندوں اور بندیوں ہی کو عطا کرتا ہے

کہ ۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

تنظیم اسلامی میں شامل خواتین اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچانے کا جو کام سرانجام دے رہی ہیں' وہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اللہ کے دین کے لئے زندگی بھی قربان ہو جائے تب بھی یہ سودا انتہائی سستا ہے۔

اب وہ لمحہ آگیا جس لمحے ایمان اور وسوسے میں جنگ شروع ہو گئی۔ ایک بہن تنظیم اسلامی کے حوالے سے بات کرنے آئیں۔ وہ جوش و جذبے سے بھرپور' دلوں کو گرما دینے والی تقریر کے ذریعے جادو جگا کر صدا لگا رہی تھیں : "آیئے' ہمارے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر تنظیم اسلامی کے قافلے میں شریک ہو کر اللہ کے دین کو پھیلانے میں ہمارا دست و بازو بنیں۔ ایک اکیلا کچھ نہیں کر سکتا مگر ایک منظم جماعت بنیان مرصوص بن کر بہت کچھ کر سکتی ہے"۔ موصوفہ کی تقریر دل پذیر سن کر اگر کسی خاتون کا دل نہ پسیجا ہو تو ناچیز کی رائے میں وہ "بد نصیب" ہی ہو گی۔ انہوں نے کہا "ہم نے ہر خاتون کے ہاتھ میں ایک بیعت فارم دے دیا ہے اب فیصلہ کرنا آپ کا اپنا کام ہے"۔ انہوں نے مذکورہ فارم پر لکھی ہوئی عبارت پڑھ کر سنائی۔ یہ سب کچھ سن کر میرے اندر ایمان اور وسوسے کے مابین جنگ جاری تھی مگر ایک لمحہ ایسا بھی آیا جب میرا ایمان وسوسے پر غالب آگیا۔ میں نے فوراً بیعت فارم پر دستخط ثبت کر دیئے۔ قبل اس کے کہ شیطان مجھے ورغلاتا۔ تنظیم کے ساتھ میری رفاقت کو شکریئے کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔ اجلاس کی آخری تقریر نائب ناظمہ صاحبہ نے کی۔ رب کائنات کی تعریف و توصیف' قرآن کی تلاوت' واقعات کا بیان سبحان اللہ' اللہ کرے زور بیاں اور زیادہ۔

تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کی تعداد گو بہت زیادہ نہیں ہے مگر شریک قافلہ رفیقات میں سے ایک ایک انمول موتی ہے۔ پروگرام کا اختتام حلقہ خواتین کی ناظمہ صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر اسرار احمد کی دعا کے ساتھ ہوا۔ ○○

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

رفتار کار

چار روزہ دعوتی سفر

رفقاء تنظیم اسلامی حلقہ غربی پنجاب کے دورۂ میانوالی کی روداد

تین مئی کو حلقہ غربی پنجاب کے علاقہ میانوالی کے چار روزہ دعوتی دورے کے لئے تیرہ رفقاء دفتر تنظیم اسلامی فیصل آباد میں اکٹھے ہوئے۔ نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد ناظم حلقہ محترم رشید عمر صاحب نے تمام شرکاء سفر کے ساتھ خصوصی نشست رکھی' جس میں مختلف رفقاء کے ذمہ مختلف کام لگائے گئے اور اہم ہدایات دی گئیں۔ محترم ناظم حلقہ نے رفقاء کو تلقین کی کہ ہمارا یہ سفر رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہے' ہمارے پیش نظر کوئی دنیوی مقاصد نہیں ہیں' لہٰذا دوران سفر ہمیں اپنے مقصد کو پیش نظر رکھنے میں انتہائی سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہئے نیز غیر ضروری گفتگو سے گریز کرنا چاہئے۔ ہمیں چاہئے کہ باہمی ایثار اور اخوت کا مظاہرہ کریں۔ ہمارا یہ مختصر سا قافلہ تقریباً دس بجے عازم سفر ہوا۔ دوران سفر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات زندگی اور عظمت و جلالت پر گفتگو ہوئی۔

اس سفر میں ہمارا پہلا مختصر پڑاؤ چنیوٹ اور دوسرا سرگودھا تھا۔ اس مختصر قیام کے بعد ہمارا یہ قافلہ ساڑھے تین بجے شاہ پور صدر پہنچا' جہاں کچھ دیر قیام کرنے کے بعد نماز فجر ادا کی گئی۔ بعد ازاں دوبارہ سفر شروع ہوا جو خراب سڑک کے باعث خاصی سست رفتاری سے ہوا۔ قائد آباد پہنچ کر ناشتہ کیا گیا اور گاڑی کی کچھ مرمت کرائی گئی۔ چار مئی کو ۱۱ بجے کے قریب یہ قافلہ میانوالی میں واقع دفتر تنظیم اسلامی پہنچ گیا۔ تاخیر سے پہنچنے کے سبب دو تعلیمی اداروں میں پہلے سے طے شدہ پروگرام منعقد نہ ہو سکے' جس کا ہمیں افسوس رہا۔ دفتر میں میانوالی اسرہ کے نائب نقیب حاجی عبداللہ صاحب اور دیگر ساتھیوں نے ہمارا استقبال کیا۔ تمام رات کے سفر کے باعث تمام ساتھی انتہائی تھکے ہوئے تھے چنانچہ محترم ناظم حلقہ نے میانوالی کے ساتھیوں سے پروگرام کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد ظہر تک آرام کرنے کو کہا۔ دوپہر کے کھانے کا اہتمام حاجی عبداللہ صاحب نے اپنے گھر پہ کیا' جس کے بعد نماز ظہر قریبی مسجد میں ادا کی گئی۔

اس روز تقریباً ساڑھے چار بجے باقاعدہ پروگرام شروع ہوا۔ محترم ناظم حلقہ نے فیصل آباد اور میانوالی کے رفقاء سے خصوصی ایک نشست رکھی' جس میں باہمی تعارف ہوا' نیز آئندہ

کے پروگراموں کا شیڈول طے کیا گیا۔ مختلف مساجد میں طے شدہ پروگراموں کے لئے مختلف ٹیمیں تشکیل دی گئیں اور دروس و خطابات کے لئے مختلف رفقاء کو ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ ابھی یہ پروگرام جاری ہی تھا کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔

مغرب سے کچھ دیر قبل تین ٹیمیں پروفیسر خان محمد صاحب' میاں محمد اسلم صاحب اور ملک احسان الٰہی صاحب کی زیر قیادت مختلف مساجد کے لئے روانہ ہوئیں۔ مغرب کے بعد دو مساجد میں پروگرام ہوئے۔ واپڈا کالونی کی مسجد میں پروفیسر خان محمد صاحب نے خطاب فرمایا' جہاں چالیس کے قریب افراد نے ان کی گفتگو سنی' جب کہ ایک مینار والی مسجد میں میاں محمد اسلم صاحب نے گفتگو فرمائی اور یہاں پچیس' تیس افراد نے ان کی گفتگو نہایت توجہ سے سنی۔ اس مسجد کے امام صاحب جماعت اسلامی کے پرانے رکن ہیں' بڑی محبت سے پیش آئے اور پروگرام کے اختتام پر چائے سے تواضع کی۔ اس دوران انہوں نے جماعت اسلامی کے اس مسلّمہ موقف پر زور دیا کہ الیکشن میں حصہ لینا ضروری ہے ورنہ یہ میدان مکمل طور پر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ہاتھ آئے گا اور وہ من مانی کریں گے۔ میاں اسلم صاحب اور دیگر ساتھیوں نے الیکشن کے منفی تقاضے اور مضر اثرات تفصیل سے ان کے سامنے رکھے اور احتجاجی طریقہ کار کی اہمیت واضح کی۔ اس ضمن میں انقلاب ایران' قرارداد مقاصد' ختم نبوت کی تحریک کو بطور مثال پیش کیا گیا۔ مزید برآں الیکشن کی سیاست کے جماعت اسلامی کی ساکھ پر منفی اثرات کا حوالہ بھی دیا۔ ہماری اس گفتگو سے امام صاحب کافی حد تک انقلاب کے لئے احتجاجی طریقہ کے قائل ہو گئے۔

نماز عشاء کے بعد دو مساجد میں خطاب ہوئے۔ مسجد حاجی خان زمان میں پروفیسر خان محمد صاحب نے خطاب فرمایا۔ یہاں حاضری چالیس افراد سے متجاوز تھی جبکہ مسلم کالونی کی مسجد میں ملک احسان الٰہی صاحب نے تقریباً تیس افراد کے سامنے تنظیم اسلامی کی دعوت رکھی۔ پروگراموں کے انعقاد میں مقامی ساتھیوں عامر سلطان' محمد اسلم' امان اللہ خان' حاجی عبد اللہ صاحب اور دلاسہ خان صاحب (نقیب اسرہ) نے ٹیموں کی راہنمائی کی۔ عشاء کی نماز کے بعد تمام ٹیمیں دفتر میں جمع ہوئیں۔ محترم ناظم حلقہ نے ٹیموں میں شامل مختلف ساتھیوں سے رپورٹ لی۔ کھانا کھانے کے بعد اگلے دن کے پروگرام طے کئے گئے اور ٹیمیں تشکیل دے دی گئیں۔ اس طرح ہمارا ایک بھرپور دعوتی دن گزرا۔

اگلے روز یعنی ۵ مئی کو نماز فجر سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل ہی تمام ساتھی بیدار ہو گئے اور تمام

ٹیمیں اپنے اپنے ذمہ داران اور مقامی ساتھیوں کی راہنمائی میں مختلف مساجد کی طرف روانہ ہو گئیں۔ کمیٹی چوک والی مسجد میں ایک ٹیم ناظم حلقہ محترم رشید عمر صاحب کی قیادت میں پہنچی اور وہاں راقم (شاہد مجید) نے سورۂ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کا درس دیا۔ دوسری ٹیم مسلم کالونی کی مسجد میں پہنچی جہاں مقامی رفیق بشیر احمد صاحب نے' جو ہائی سکول کے ٹیچر ہیں' درس قرآن دیا۔ مسجد اہلحدیث یار وخیل میں تیسری ٹیم پروفیسر ادریس رندھاوا صاحب کی زیر قیادت پہنچی۔ یہاں میاں محمد اسلم صاحب کو خطاب کرنا تھا مگر طبیعت خراب ہو جانے کے باعث وہ نہ جا سکے لہٰذا محترم پروفیسر ادریس رندھاوا نے حاضرین کے سامنے تنظیم اسلامی کی دعوت پیش کی۔ چوتھا پروگرام نہر کالونی کی مسجد میں ہوا' جہاں ملک احسان صاحب نے پندرہ افراد کے سامنے گفتگو کی۔ پانچویں ٹیم سہراب والی مسجد میں پہنچی جہاں فاروق صاحب نے پندرہ' بیس افراد کے سامنے آیۂ استخلاف کا درس دیا۔ ہمارے تین ساتھی جو کہ دفتر میں مقیم رہے' انہوں نے دفتر کے قریب سول ہسپتال کی مسجد میں نماز فجر ادا کی اور وہاں پروفیسر خان محمد صاحب نے نمازیوں کے سامنے تنظیم اسلامی کی دعوت پیش کی۔

مختلف مقامات پر طے شدہ پروگرام کرنے کے بعد تمام ٹیمیں دفتر پہنچ گئیں' جہاں خان محمد صاحب نے نظام العمل میں موجود رفقاء کے بنیادی فرائض کا مطالعہ کروایا۔ ۸ بجے رفیق تنظیم محترم محمود صاحب کے گھر پر درس قرآن ہوا۔ یہاں یہ سعادت خان محمد صاحب کے حصے میں آئی' جنہوں نے سورۃ الحدید کا درس دیا۔ اس درس میں شرکاء کی تعداد رفقاء سمیت چالیس' پینتالیس رہی۔ جناب محمود صاحب میانوالی کی معروف سماجی وسیاسی شخصیت ہیں اور آج کل تنظیم اسلامی سے وابستہ ہیں۔ پروگرام کے بعد چائے سے شرکاء کی تواضع کی گئی۔ تمام ساتھی ایک بار پھر دفتر پہنچے جہاں آرام اور غسل سے فارغ ہو کر موچی دروازہ کے "جلسۂ خلافت" کی ویڈیو فلم دیکھی گئی۔ اس دوران میں نمازِ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق دو ٹیمیں روانہ ہوئیں۔ مسجد عبدالرحیم میں خان محمد صاحب نے نماز جمعہ کے موقع پر خطاب کیا' جہاں پچاس کے قریب افراد نے گفتگو سنی۔ دوسری ٹیم مسلم کالونی کی مسجد پہنچی جہاں ملک احسان صاحب کو خطاب کرنا تھا مگر خطیب صاحب کی جانب سے اجازت نہ مل سکی۔ چنانچہ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد مسجد کے باہر محدود تعداد میں لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

اگلے پروگرام نماز مغرب کے بعد طے تھے لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ چار ٹیمیں نماز عصر سے مغرب کے درمیان گشت کریں گی اور محلوں اور بازاروں میں لوگوں سے ملاقاتیں کر کے ان تک

اسلام کا انقلابی پیغام پہنچائیں گی۔ راقم الحروف' حماد فیاضی اور دلاسہ خان پر مشتمل ٹیم ملک احسان صاحب کی قیادت میں ایک بازار میں پہنچی' جہاں ۱۲ افراد سے ملاقات کی گئی اور انہیں لٹریچر بھی دیا گیا۔ مغرب کے وقت یہ ٹیم دو حصوں میں تقسیم ہو گئی' اس طرح راقم الحروف اور دلاسہ خان نے مسجد اشاعت توحید و سنت میں نماز مغرب ادا کی۔ یہاں مسجد کی انتظامیہ کے ایک فرد نے خطاب کی دعوت دی تھی مگر انتظامیہ کے دیگر افراد نے اجازت نہ دی۔ ملک احسان الٰہی صاحب اور حماد فیاضی صاحب نے مدرسۃ البنات کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی اور امام صاحب سے اجازت لے کر گفتگو کی۔ حاضرین نے بڑی دلچسپی سے بات سنی۔ حافظ ارشد' امیر خان اور امان اللہ صاحبان پر مشتمل دوسری ٹیم پروفیسر خان محمد صاحب کی زیر قیادت روانہ ہوئی۔ اس ٹیم نے نیشنل بینک کے زونل مینیجر فضل الرحمٰن صاحب سے ملاقات کی جو مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور جماعت اسلامی کی دعوت سے کسی قدر متاثر ہیں۔ نماز مغرب کے بعد مسجد قصاباں میں پروفیسر خان محمد صاحب نے ساٹھ افراد کے سامنے تنظیم اسلامی کی دعوت رکھی اور لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ حکیم سعید' حاجی عبد اللہ اور عبد السمیع صاحبان پر مشتمل تیسری ٹیم نے پروفیسر ادریس رندھاوا صاحب کی زیر قیادت چودہ افراد سے انفرادی ملاقاتیں کیں اور ان تک اپنی دعوت پہنچائی۔ ارشد چودھری' میاں یوسف' اللہ نور اور محترم سیف صاحبان پر مشتمل ٹیم محترم ناظم حلقہ کی زیر قیادت نکلی اور مسلم کالونی کے سترہ افراد تک تنظیم اسلامی کی دعوت پہنچانے میں کامیاب ہوئی۔

نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد تمام ٹیمیں دفتر میں جمع ہو گئیں جہاں محترم ناظم حلقہ کے ساتھ ایک خصوصی نشست کا اہتمام تھا۔ تمام ٹیموں نے اپنی اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔ میانوالی اسرہ کی کارکردگی کا عمومی جائزہ دلاسہ خان صاحب نے پیش کیا۔ نقیب اسرہ نے بتایا کہ یہاں رفقاء کا انفرادی رابطہ اچھا ہے مگر مقررین کی کمی کے باعث اجتماعی دعوتی پروگرام کم ہو رہے ہیں۔ میانوالی میں سترہ رفقاء موجود ہیں۔ بعد ازاں محترم ناظم حلقہ نے گفتگو کرتے ہوئے تربیتی پروگرام منعقد کرنے پر زور دیا اور محترم ناظم اعلیٰ کی جانب سے موصول ہونے والے سرکلر سے رفقاء کو آگاہ کیا' جس میں توسیع دعوت پر خصوصی توجہ دینے کی تاکید کی گئی ہے۔

چھ مئی کو نماز فجر کے بعد دفتر میں ایک بھرپور تربیتی پروگرام ہوا۔ حافظ ارشد صاحب نے درس قرآن دیا جبکہ میاں یوسف صاحب نے احادیث پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد نئے ساتھیوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور بعض کوتاہیوں کی جانب توجہ دلائی۔ بعد ازاں آئندہ کے

پروگراموں کے لئے مختصر منصوبہ بندی کی گئی اور تین ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔ یہ ٹیمیں میانوالی سے کچھ فاصلے پر واقع قصبات کی جانب روانہ ہوئیں۔ پہلی ٹیم پروفیسر خان محمد صاحب کی قیادت میں کندیاں کے لئے روانہ ہوئی۔ کندیاں جانے سے قبل دو سکولوں اور ایک ایلیمنٹری کالج میں پروگرام پہلے سے طے شدہ تھے۔ ایک سکول میں اساتذہ کی ہڑتال کے باعث پروگرام نہ ہو سکا جبکہ دوسرے سکول میں ملک احسان الٰہی صاحب نے اسمبلی میں مختصر خطاب کیا۔ ایلیمنٹری کالج میں پروفیسر خان محمد صاحب نے آٹھ اساتذہ کے سامنے دعوت پیش کی جبکہ گورنمنٹ ڈگری کالج میانوالی میں میاں یوسف صاحب اور پروفیسر ادریس رندھاوا صاحب نے دو اساتذہ سے انفرادی ملاقات کی۔ مزید برآں میانوالی کی معروف سیاسی شخصیت ثناء اللہ صاحب سے مختصر ملاقات ہوئی۔ نیز جماعت اسلامی کے ایک رکن رفیع اللہ صاحب سے بھی مختصر مگر موثر ملاقات ہوئی۔ بعد ازاں یہ ٹیم کندیاں پہنچی' جہاں ہائر سیکنڈری سکول کے پرنسپل اور سینئر استاد صلاح الدین صاحب کے تعاون سے بارہ اساتذہ کے سامنے خان محمد صاحب نے تفصیلی گفتگو کی اور سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ اس کے بعد یہ ٹیم چشمہ پہنچی جہاں واپڈا کالونی کی دو مساجد میں نماز ظہر کے موقع پر ملک احسان الٰہی صاحب اور خان محمد صاحب نے بالترتیب چوبیس اور بیس افراد سے خطاب کیا۔ مذکورہ دونوں مساجد میں تبلیغی جماعت کے وفود موجود تھے' جن کے سامنے تفصیلاً فرائض دینی کا جامع تصور اور منہج انقلاب نبوی پیش کیا گیا۔ اس ٹیم نے چشمہ بیراج کی مختصر سیر کی اور عصر کے قریب دوبارہ کندیاں پہنچی' جہاں نماز عصر کے بعد تین اور نماز مغرب کے بعد دو مساجد میں گفتگو کی گئی۔ نوری مسجد' مسجد الدعوۃ والارشاد' ریلوے کالونی کی مسجد' بازار والی مسجد اور مسجد مہاجراں میں محترم پروفیسر ادریس صاحب' پروفیسر خان محمد صاحب اور ملک احسان صاحب نے خطاب کیا۔ نوری مسجد میں ایک بزرگ شخصیت حکیم امیر احمد صاحب سے ملاقات ہوئی جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ بڑی شفقت سے پیش آئے اور مسجد مہاجراں میں پروگرام کرنے کا مشورہ دیا' جس سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔ دوسری ٹیم عبدالسمیع صاحب' جو اسرہ سرگودھا کے نائب نقیب ہیں' کی قیادت میں اباخیل پہنچی' جہاں اباخیل ہائی سکول میں پندرہ اساتذہ کے سامنے حکیم سعید صاحب نے گفتگو کی۔ اس کے بعد یہ ٹیم موسیٰ خیل آ گئی۔

تیسری ٹیم بھی موسیٰ خیل میں محترم ناظم حلقہ کی قیادت میں پہنچی۔ پرائمری سکول میں چار' پانچ اساتذہ سے دلاسہ خان صاحب نے گفتگو کی۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول کے پرنسپل جناب ارشاد حسین شاہ صاحب جو جماعت اسلامی سے متاثر ہیں' سے مذاکرہ ہوا۔ بعد ازاں ظہر اور عصر کے بعد چار مساجد میں پروگرام ہوئے۔ مسجد چراغ علی میں محترم رشید عمر صاحب نے خطاب

فرمایا۔ مسجد حنفی توحیدی میں عبدالسمیع صاحب نے خطاب کیا جبکہ دعوت اسلامی کی مسجد میں بھی محترم رشید عمر صاحب نے خطاب کیا۔ یہاں تقریباً دس افراد سے انفرادی ملاقاتیں بھی ہوئیں جبکہ عبدالسمیع صاحب کی ٹیم کی ملاقات معروف روحانی شخصیت پیر صاحب پشاوری سے ہوئی۔ پیر صاحب سے بہت مفید گفتگو ہوئی۔ پیر صاحب کے بقول ان کے چھ ہزار مریدین ہیں۔

عشاء کے قریب تمام ٹیمیں دفتر پہنچ گئیں۔ نماز عشاء اور کھانے سے فراغت کے بعد کارکردگی کا جائزہ پیش کیا گیا۔ نیز اگلے دن نماز فجر کے بعد واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ سات مئی کو نماز فجر کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا۔ میانوالی کے ساتھیوں نے بڑی محبت سے رخصت کیا۔ اس تمام عرصے کے دوران میانوالی کے رفقاء نے بھرپور محنت کی اور مختلف جگہوں پر پروگرام ترتیب دینے میں رہنمائی کی۔ نقیب اسرہ جناب دلاسہ خان صاحب بہت متحرک رہے۔ یہاں دو ساتھیوں کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے۔ محترم حکیم سعید صاحب نے ساتھیوں کی بڑی خدمت کی اور وقت پر کھانا پکا کر کھلاتے رہے جبکہ افتخار صاحب نے، جو رفیق تنظیم ہیں اور ڈرائیونگ کرتے ہیں، بڑی تندہی سے اپنے فرائض انجام دیئے اور ٹیموں کو ان کی منازل تک بروقت پہنچاتے اور واپس لاتے رہے۔ تمام رفقاء نے ایثار و محبت سے وقت گزارا۔ فیصل آباد تنظیم کے امیر میاں محمد اسلم صاحب معدے کی تکلیف میں مبتلا ہونے کے باعث آخری دو روز ٹیموں کے ساتھ نہ نکل سکے مگر دفتر میں موجود رہے اور ساتھیوں کے ساتھ ہی بذریعہ ٹرین واپس آئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کاملہ عطا فرمائے۔

واپسی پر گورنمنٹ کالج جوہر آباد میں پرنسپل محترم عبداللطیف صاحب سے ملاقات کی گئی، جو محترم ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کے کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔ محترم عبداللطیف صاحب نے جو تبلیغی جماعت سے متعلق ہیں اور کالج میں کنٹرولر امتحانات ہیں، بڑی محبت سے ساتھیوں کو اپنے کمرے میں بٹھایا اور پانچ، چھ اساتذہ کو بھی بلا لیا جن کے سامنے پروفیسر ادریس رندھاوا صاحب نے تنظیم اسلامی کی دعوت پیش کی۔ اکثر اساتذہ تبلیغی جماعت سے متاثر تھے چنانچہ بعد میں افہام و تفہیم کی غرض سے مذاکرہ بھی ہوا۔ محترم عبداللطیف صاحب، اظہار احمد صاحب اور امیر محترم کو ذاتی طور پر جانتے ہیں، نیز ہر دو حضرات سے اپنی شناسائی کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کرتے رہے۔ اس کے بعد واپسی کا سفر پھر سے شروع ہوا اور شام چھ بجے کے قریب یہ قافلہ فیصل آباد پہنچ گیا۔

اس دعوتی دورہ کے دوران کل چوبیس مساجد میں پروگرام ہوئے اور تقریباً ایک ہزار افراد تک تنظیم اسلامی کا پیغام پہنچایا گیا۔ دعوتی گفتگوؤں کے دوران مذہب و دین کا فرق، فرائض دینی کا جامع تصور، اور منہج انقلاب نبوی کو موضوع بنایا گیا۔ ○○

مرتب: شاہد محمود، رفیق تنظیم

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

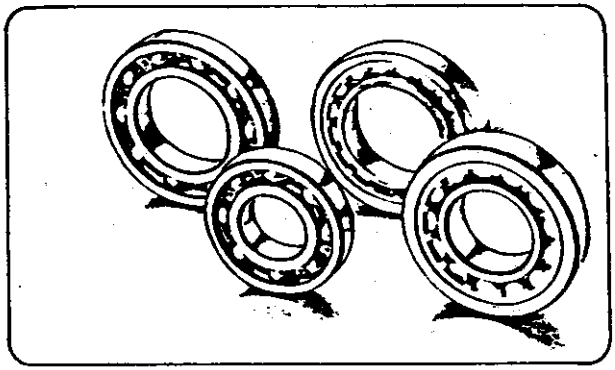

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210807

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVIN

مولانا مودودی مرحوم کے قدیم ترین رفیق کار

جناب نعیم صدیقی

کی جماعتِ اسلامی سے علیحدگی نے تحریکِ اسلامی کے مستقبل سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے **ایک نیا لمحۂ فکریہ** پیدا کر دیا ہے۔

اس موقع پر اصل تحریک کا تسلسل برقرار رکھنے کے خواہشمند حضرات کے لیے

ڈاکٹر اسرار احمد

کی حسب ذیل تالیفات کا مطالعہ لازمی ہے تاکہ وہ اپنا آئندہ کا لائحۂ عمل علیٰ وجہ البصیرت ترتیب دے سکیں :-

۱۔ تحریک جماعت اسلامی : ایک تحقیقی مطالعہ۔

بڑے سائز کے ۲۴۰ صفحات، مجلد سفید کاغذ -/۴۰ روپے

۲۔ جماعتِ اسلامی کی تاریخ کا ایک گمشدہ باب۔

بڑے سائز کے ۳۲۸ صفحات، مجلد سفید کاغذ -/۸۰ روپے، غیر مجلد نیوز پرنٹ -/۳۵ روپے

۳۔ برِّعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں۔

سفید کاغذ پر بڑے سائز کے ۱۰۴ صفحات -/۳۰ روپے

۴۔ جماعت اسلامی کی تاریخ کا تیسرا بحران۔

اور اس کے نئے امیر قاضی حسین احمد۔

نیوز پرنٹ پر بڑے سائز کے ۹۴ صفحات -/۱۰ روپے

۵ مولانا مودودی مرحوم اور میں۔

نیوز پرنٹ پر بڑے سائز کے ۹۴ صفحات -/۸ روپے

پانچ کتابوں کی مجموعی قیمت -/۱۶۸ روپے، پورے سیٹ کی خصوصی رعایتی قیمت -/۱۳۵ روپے

بذریعہ وی پی پی طلب کرنے پر محصول ڈاک اس کے علاوہ۔ البتہ رقم بذریعہ منی آرڈر پیشگی ارسال کرنے کی صورت میں رجسٹرڈ بک پوسٹ کے اخراجات بذمہ ادارہ ہوں گے۔

شائع کردہ: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور (فون: ۵۸۶۹۵۰۱/۲

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

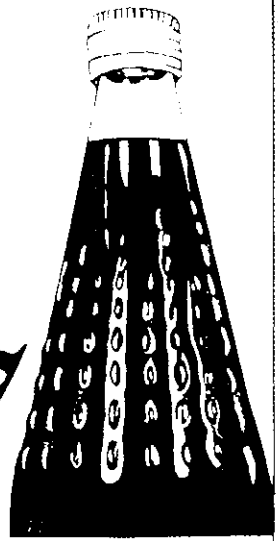

REG. NO. L-7360
VOL. 44 NO. 6
JUNE 1995